اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ﴿۶۰﴾

بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے بادل سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ خوش نما باغ اگائے، تمہارے لیے (ممکن) نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود بھی ہے۔ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو ایک طرف جھک گئے ہیں۔ (2480)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۶۱﴾

بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے اندر دریا بنائے اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان روک بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔ (2481)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ﴿۶۲﴾

بھلا کون بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ (2482)

2480- ﴿حَدَآئِقَ﴾۔ حَدِيْقَةٌ کی جمع ہے۔ اور وہ وہ قطعہ زمین ہے جس میں پانی ہو۔ گویا اسے آنکھ کی پتلی (حَدَقَةٌ) سے شکل اور پانی کے موجود ہونے میں تشبیہ ہے۔ (غ)

جب خلق اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے تو دوسرا معبود بھی نہیں ہوسکتا۔

2481- یہاں بتایا ہے کہ وہ قوانین جن پر عالم کا دارومدار ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں نہ کسی اور کے۔ دو سمندروں میں روک پر [دیکھو نمبر: 2386]۔

2482- **اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر تین دلائل:** سب سے پہلے خلق اشیاء کا ذکر فرمایا، پھر قوانین کے اجرا کا۔ یہ دونوں کام اللہ

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

بھلا کون تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رستہ دکھاتا ہے؟ اور کون اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوش خبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اَور) معبود ہے؟ اللہ اس سے بلند ہے جو وہ (اس کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہیں۔ (2483)

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

بھلا کون مخلوق کو پہلے پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹاتا رہتا ہے اور کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ کہہ، اپنی روشن دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو۔ (2484)

تعالیٰ ہی کرتا ہے نہ کوئی اور فرضی معبود۔ مگر یہاں تک بس نہیں بلکہ انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی ہے جو اور کسی شے کا نہیں۔ اور وہ تعلق اس وقت پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے جب انسان ماسوائے اللہ کو بکلی چھوڑ کر اپنے آپ کو صرف ایک ذات پاک کا محتاج سمجھتا ہے (اسی کو اَلْمُضْطَرّ فرمایا ہے۔ اضطرار پر [دیکھو نمبر: 211]) تب وہ نہ صرف اس کی حالت اضطرار کی دعا کو قبول کرتا ہے بلکہ دعا کا جواب بھی دیتا ہے۔ کیونکہ کام کا ہونا یا نہ ہونا اتفاقی بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی ہستی اس کے تعلق کی دلیل اس کا جواب دینا ہی ہے۔ یعنی ایسے بندے کے ساتھ کلام کرنا اور اس کو مصیبت کے وقت تسلی دینا۔ اور گو یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا عام قانون بیان فرمایا ہے مگر خاص اشارہ انہی اپنے برگزیدہ بندوں کی طرف یعنی اصحاب رسول کی طرف ہے، جن کے ذکر سے رکوع کو شروع کیا تھا۔ اور اسی لیے ﴿يَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ یا مصیبت کے دور کرنے کے ساتھ انہیں بادشاہ بنانے کا بھی ذکر ہے۔ گویا بتایا کہ داؤد اور سلیمان کے قصے بیان نہیں کیے بلکہ مسلمانوں کو وہ سب کچھ دیا جائے گا جو **پہلی قوموں کو دیا گیا**۔ [آیت:60] میں خَلَقَ کے ساتھ يَّعْدِلُوْنَ فرمایا۔ اس لیے کہ دلیل خلق موٹی دلیل ہے۔ اگلی آیت میں اپنے قوانین کا ذکر کر کے يَعْلَمُوْنَ فرمایا اس کے کہ قوانین کا تعلق علم سے ہے اور یہاں قبولیت دعا کے ذکر میں تَذَكَّرُوْنَ فرمایا۔ اس لیے کہ اس کا تعلق ذکر سے ہے۔

2483- یہاں اس تعلق کو اور بھی کمال کو پہنچایا۔ وہ نہ صرف مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دیتا ہے بلکہ انسان کی بہتری کے لیے اپنی ہدایت بھی بھیجتا ہے۔ ظاہری رستوں کے ذکر میں انہی باطنی راہوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور رحمت کے آگے ہوائیں بھیجنے میں اشارہ ہے کہ اس کامیابی کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔

2484- خلق کے اعادہ میں یہاں اشارہ اجرائے قانون کی طرف ہے اور آسمانی رزق وحی الٰہی ہے۔ پس انہی تینوں باتوں کا پھر ایک جگہ

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

کہہ، جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اللہ کے کوئی غیب کو نہیں جانتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گئے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع 5 8 1

بلکہ آخرت کے پانے سے ان کا علم پیچھے رہ گیا۔ بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ (2485)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور وہ جو انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نکالے جائیں گے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

یہ وعدہ ہمارے ساتھ اور پہلے ہمارے باپ دادوں سے (بھی) کیا گیا۔ یہ صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

کہہ، زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور ان پر غم نہ کھا اور اس سے تنگی محسوس نہ کر، جو یہ تدبیریں کرتے ہیں۔ (2486)

کر کے اعادہ کیا ہے جو اوپر کی آیات میں الگ الگ کر کے بیان کی ہیں۔

2485- ادّٰرَكَ پر [دیکھو نمبر: 994] علم کے انتہا کو پہنچ کر رہ جانے سے مراد ہے کہ وہ جاہل رہ گئے۔ یعنی ان کا علم وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ اور پھر فرمایا: ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا﴾ یعنی ان کا اپنا علم تو وہاں تک نہ پہنچ سکا، لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ علم دیا تو وہ شک میں پڑ گئے اور پھر اس شک میں ترقی کرتے کرتے بالکل اندھے ہو گئے۔ یعنی اس کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

2486- آپ کا غم اس لیے تھا کہ یہ لوگ بجائے حق کو قبول کرنے کے مخالفت میں بڑھتے جاتے ہیں اور ان کی تدبیروں کے ذکر سے

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہے۔ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہہ، شاید اس کا کچھ حصہ تم سے نزدیک ہی آ گیا ہو، جسے تم جلد چاہتے ہو۔ (2487)

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تیرا رب یقیناً لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور تیرا رب یقیناً اسے جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور کوئی چھپی ہوئی چیز آسمان اور زمین میں نہیں مگر وہ واضح کتاب میں ہے۔ (2488)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی کافر ہیں جو حق کو تباہ کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔

2487- ﴿رَدِفَ لَكُمْ﴾۔ رَدِفَ کے لیے [دیکھو نمبر: 1208] اور ﴿رَدِفَ لَكُمْ﴾ کے معنی [قَرُبَ لَكُمْ] یا [دَنَا لَكُمْ] کیے گئے ہیں۔ یعنی تمہارے قریب آ گیا۔ اور رَدِفَكُمْ اور ﴿رَدِفَ لَكُمْ﴾ ایک ہی ہیں جیسے سَمِعَهٗ اور سَمِعَ لَهٗ۔ (ل)

یہاں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے قریب قریب کی ہے۔ کیونکہ عذاب کا آنا آپ کے چلے جانے کے بعد مقرر تھا۔ ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ﴾ [الأنفال: 33:8] ''اللہ ایسا نہ تھا کہ ان کو عذاب دیتا حالانکہ تو ان میں تھا۔'' چونکہ آپ اب مکہ سے جانے والے تھے اس لیے فرمایا کہ عذاب کا بھی ایک حصہ قریب ہی چکھ لو گے۔ بعض اس لیے کہا کہ اللہ نے اس قوم کو ﴿رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ کی بدولت پوری تباہی سے بچا لیا۔

2488- ﴿غَآئِبَةٍ﴾ جو چیز حواس سے مخفی ہو یا علم انسان سے مخفی ہو اسے غائب کہا جاتا ہے۔ (غ) اور تا اس میں مبالغہ کے لیے ہے۔ (د) اصل مقصد یہ ہے کہ جس سے آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس سے تمہاری تدابیر کیونکر مخفی رہ سکتی ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ (2489)

وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور بے شک وہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾

تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہ غالب علم والا ہے۔ (2490)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

سو اللہ پر بھروسہ رکھ، تو کھلے حق پر ہے۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

ہاں تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ تو بہروں کو سنا سکتا ہے، جب وہ پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس ہو جائیں۔

وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور نہ تو اندھوں کو گمراہی سے نکال کر رستہ دکھانے والا ہے، تو صرف اسے سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتا ہے، سو وہ فرمانبردار ہیں۔ (2491)

2489- بنی اسرائیل سے مراد یہاں یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے۔ (ر) کیونکہ سب سے بڑا اختلاف انہی کا تھا۔ پس مکہ میں ہی یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

2490- دو گروہ جن کے درمیان فیصلہ کی ضرورت ہے اعدائے دین اور مومن ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ رکھ کر کام میں لگے رہو۔

2491- **پیغمبر کا مُردوں کو سنانا:** ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صرف ڈرانے والا ہے، جو سننا چاہے اسی کو سنا سکتا ہے۔ اور ان کی کفر پر اصرار کی حالت یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ کسی انسان کی طاقت میں اب یہ نہیں کہ انہیں راہ راست پر لا سکے۔ ﴿اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ اصل حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ مردے ہیں، بہرے ہیں، بایں پیغمبر کی آواز پر پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسوں کو پیغمبر نہیں سنا سکتا۔ اندھے ہیں اور پھر گمراہی میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ ایسوں کی ہدایت پیغمبر نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع 6 16 2

اور جب بات ان پر واقع ہو جائے گی ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ (2492)

صرف ڈرانے والا ہے اور یہ لوگ ڈرانے کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ کے لیے ایمان سے بے بہرہ رہیں گے۔ کیونکہ دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ ان کو بھی سنائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [فاطر: 22:35] ''اللہ (تعالیٰ) جسے چاہتا ہے سناتا ہے۔'' [دیکھو نمبر: 2719] ہاں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ پیغمبر کی ہر بات کو سنتے اور مانتے ہیں۔ اس لیے اعلیٰ مقامات پر پہنچ جاتے ہیں۔ سنانا اچھے اعمال کی طرف بلانا ہے۔ پیغمبر کے بلانے پر اچھے اعمال کی طرف وہی رجوع کرے گا جو پہلے اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لاتا ہے۔ یہی مضمون [الروم: 30:52-53] میں ہے [دیکھو نمبر: 2600] جہاں سماع موتی پر بھی بحث ہے اور یہ بات کہ فی الحقیقت یہاں جسمانی مردے مراد نہیں، روحانی مردے مراد ہیں۔ [فاطر: 35:19-33] سے واضح ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ اندھے اور دیکھنے والے، اندھیرا اور روشنی، سایہ اور دھوپ، زندے اور مردے برابر نہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی ہے ﴿وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝﴾۔ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا، تو صرف ڈرانے والا ہے۔

2492- تُكَلِّمُهُمْ۔ تُكَلِّمَ۔ كَلِمَ سے ہے [دیکھو نمبر: 57] اور تَكْلِيْم کے معنی بات کرنا ہے اور تَكْلِيْم بمعنی تَجْرِيْح بھی آتا ہے، یعنی زخمی کرنا۔ اور بعض نے یہاں تُكْلِمُهُمْ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں تُجَرِّحُهُمْ۔ لیکن اگر تُكَلِّمُهُمْ پڑھا جائے تو اس کے معنی بھی تُجَرِّحُهُمْ ہو سکتے ہیں۔ (ل)

دابۃ الارض کا خروج:

اس آیت میں ذکر ہے کہ جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین نہیں رہے گا اور ان پر قول واقع ہو جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی کوئی بات جو سختی یا عذاب سے تعلق رکھتی ہے ان کے حق میں پوری ہو جائے گی [دیکھو نمبر: 2242]۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک دابۃ زمین سے نکالے گا جو ان سے باتیں کرے یا انہیں زخمی کرے گا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ دابّہ آخری زمانہ میں لوگوں کے فساد کے وقت نکلے گا، جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کر دیں گے اور دین حق کو تبدیل کر دیں گے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ یہ جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع سے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث موقوف سے ثابت ہے، اس وقت ہوگا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیا جائے گا۔ اور دس اشراط الساعۃ میں سے ایک شرط خروج دابہ بھی ہے، [دیکھو نمبر: 1040]۔ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت کا تعلق مسلمانوں کی حالت کے بگڑ جانے سے ہے۔ اب غور طلب یہ ہے کہ [دَآبَّةً الْاَرْضِ] سے کیا مراد ہے؟ روایات اس کے متعلق اس قدر ہیں کہ روح المعانی میں چند اس قسم کی روایات دے کر یہ قول نقل کیا

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گروہ ان میں سے

ہے کہ روایات میں اس کی ماہیت اور اس کی شکل اور اس کی جائے خروج اور اس کی تعداد خروج اور اس کی مقدار خروج اور اس بارہ میں کہ لوگوں سے اس کا کیا معاملہ ہوگا اور وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہ نکلے گا، ایسا اختلاف ہے کہ بعض روایات بعض کی معارض ہیں۔ یعنی یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور اسے قول حق قرار دیا ہے۔ پس جب روایات کی یہ حالت ہے تو ان کی بنا پر یہ کہنا کہ [دَابَّةً الْاَرْضِ] کیا چیز ہے مشکل ہے۔ اور اس مشکل کو خود قرآن کریم حل فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اسے ایسا دابۃ قرار دیتا ہے جو لوگوں سے باتیں کرے گا اور کلام کرنا انسان سے خاص ہے اور دوسرا کوئی جانور کلام نہیں کرتا۔ اس محکم بات کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ وہ دابہ انسان ہے صحیح ہیں، اور قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ بھی ایک [دَابَّةً الْاَرْضِ] کا ذکر ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کو تباہ کر دیا، یعنی ان کا ناخلف بیٹا، [دیکھو سبأ: 14:34] ۔ اور یہاں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ تو پس [دَابَّةً الْاَرْضِ] سے مراد انسان ہی ہے جسے [دَابَّةً الْاَرْضِ] اس وجہ سے کہا کہ وہ بالکل اسباب ارضی پر گرا ہوا ہے اور خدا کی طرف اس کی نظر نہیں اٹھتی۔ دیکھو [النحل: 61:16] اور [فاطر: 45:35] میں جہاں یہ ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑے تو زمین پر کسی دابۃ کو باقی نہ چھوڑے۔ اب صاف معلوم ہوا کہ دابۃ سے مراد وہی لوگ ہیں جو زمین پر اس قدر جھک گئے کہ ان کی نظر خدا کی طرف اٹھتی ہی نہیں۔ ورنہ انسانوں کے ظلم کی وجہ سے دوسرے جاندار نہیں ہلاک ہو سکتے۔ نہ نیک انسان ہلاک ہو سکتے ہیں۔ [دیکھو نمبر: 2728] پھر [دَابَّةً الْاَرْضِ] کے ایک یا کئی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ جنس پر دلالت کرتے ہیں اور ایک روایت میں بھی ہے ہر شہر سے دابہ نکلے گا۔ پس اسی قول کو ترجیح ہے اور اسی کے مطابق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی ہے۔ لیکن [دَابَّةً الْاَرْضِ] کے خروج کے وقت جس طرح اسے اہل مشرق دیکھیں گے، اسی طرح اہل مغرب دیکھیں گے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی قومیں ہیں جو مشرق و مغرب میں یکساں پھیل جائیں گی۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو آیات اللہ پر وہ یقین نہ رہے گا جو انسان کے اندر قوت عمل پیدا کرتا ہے اور اس لیے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی چھوڑ دیں گے تو ان کے لیے بطور سزا ایک ایسی مخلوق نکل پڑے گی جو بالکل زمین پر جھکی ہوئی ہو۔ جیسے موجودہ عیسائی قومیں ہیں۔ جن کے متعلق خود قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [الکھف: 104:18] یعنی ان کی ساری کوشش دنیا کی زندگی تک ہی ختم ہو جائے گی اور اگر تُكَلِّمُهُمْ کے معنی زخمی کرنا لیا جائیں تو بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کو ان قوموں سے طرح طرح کے نقصانات بھی پہنچے ہیں اور ان کے جسم اور دل ان سے زخمی ہوئے ہیں۔ اور مخالفین کے ذکر میں اس بات کو اس لیے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت مسلمان کریں تو وہ بھی قابل گرفت ہیں اور اگر [دَابَّةً الْاَرْضِ] سے مراد انسان نہ لیے جائیں تو پھر مراد وہ تمام اسباب ہوں گے جو زمین سے ہی پیدا ہو کر انسان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ طاعون اور وباؤں کے رنگ میں ہوں، جن کے کیڑے زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور خواہ جنگوں کے رنگ میں ہوں۔

مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اکٹھا کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، پھر وہ روکے جائیں گے۔ (2493)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

یہاں تک کہ جب وہ آئیں گے کہے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا، حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان پر احاطہ نہ کیا تھا۔ بھلا تم کیا کرتے تھے۔

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ان پر بات واقع ہو جائے گی اس لیے کہ انہوں نے ظلم کیا، تو وہ بات نہ کریں گے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے رات کو بنایا ہے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن (بنایا ہے) یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

2493- ﴿فَوْجًا﴾۔ فوج اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو گزرنے والی، جلدی کرنے والی ہو۔ جمع افواج ہے، ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ [النصر: 2:110] ''اللہ (تعالیٰ) کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے۔'' (غ)

﴿يُوْزَعُوْنَ﴾ کے معنی ہیں شرارت اور فساد سے روکے جائیں گے یا آگے پیچھے ہونے سے روکے جائیں گے اور یا پہلوں کا روکنا ہے یہاں تک کہ پچھلے ان سے آملیں۔ میرے نزدیک پہلے معنی کو ترجیح ہے اور اس اکٹھا کرنے کے دن سے **مراد ان کی سزا کا دن** ہے۔ اور ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ﴾ اس کی تائید کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ بعد کا ذکر ہے اور ﴿مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ﴾ بتاتا ہے کہ تکذیب کرنے والوں میں سے بعض کو سزا دی جائے گی اور یہ ان کے سردار ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور شعبہ بن ربیعہ کا نام ہے۔ (ر) تو مطلب یہ ہوا کہ سرداروں کو سزا دے کر ان کی شرارت سے روک دیا جائے گا اور باقی لوگ آخر کار ایمان لائیں گے۔ اور اہل تشیع اس آیت سے رجعت پر دلیل لیتے ہیں یعنی امام مہدی کے ظہور کے وقت ان لوگوں کو جنہوں نے ان کے خیال میں آئمۃ اہل تشیع کے ساتھ زیادتی کی ہے دوبارہ اس دنیا میں لایا جائے گا اور مومنوں کو بھی، تاکہ ان کو سزا ملے تو مومن خوش ہوں۔ اس سے بڑھ کر لغو خیال کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ تو مومنوں کے ساتھ فلاح کا وعدہ اس دنیا کی زندگی میں کرتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ مومن رہتے تو ناکام ہیں البتہ ایک خاص زمانہ میں جب مہدی غار سے نکلے گا تو اس وقت تکلیف پہنچانے والوں کو سزا دے کر مومنوں کا دل خوش کر دیا جائے گا۔ یہ مسئلہ رجعت قرآن شریف کی ان آیات کے

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ پس جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو کوئی زمین میں ہیں گھبرا جائیں گے، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ اور سب عاجز ہو کر اس کے پاس آجائیں گے۔

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو انہیں جمے ہوئے سمجھتا ہے۔ اور وہ بادلوں کی طرح چلیں گے۔ اللہ کا کام ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا وہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ (2494)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جو کوئی نیکی لاتا ہے اس کے لیے اس سے بہتر ہے اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔

صریح خلاف ہے جن میں مردوں کو اس دنیا میں واپس آنے کو منع کر دیا گیا ہے۔ [دیکھو نمبر: 434]

2494- ﴿جَامِدَةً﴾۔ جَمَدَ پانی کے متعلق کہا جاتا ہے جب وہ جم جائے۔ یعنی برف بن کر ٹھوس ہو جائے۔ اور وہ ذوب یا پگھلنے کا نقیض ہے۔ اور جامد اور جامدۃ سخت چیز کو کہتے ہیں۔ (ل)

﴿اَتْقَنَ﴾۔ مادہ تَقَنَ ہے اور اتقان کے معنی احکام کو مضبوط کرنا ہیں۔ (ل)

اس آیت میں بظاہر پہاڑوں کی مضبوطی اور ان کے آخر گزر جانے کا ذکر ہے۔ لیکن آیت کا خاتمہ ﴿اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ پر کیا ہے۔ یعنی افعال انسانی کی جزا وسزا پر۔ اس لیے جامد پہاڑوں کے گزر جانے میں اشارہ ان بڑے بڑے انسانوں کے گزر جانے کی طرف ہے جو **حق کی مخالفت کرتے ہیں** اور اسی لحاظ سے ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ بھی درست ہے۔ جس میں یہ اشارہ ہے کہ حق اس قدر مضبوط چیز ہے کہ پہاڑ بھی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور بعض نے ﴿وَّ هِيَ تَمُرُّ﴾ میں واؤ کو واؤ حالیہ لیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تو پہاڑوں کو اپنی جگہ پر جمے ہوئے سمجھتا ہے جو ہلتے نہیں اور وہ بادل کی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ کیونکہ زمین کے ساتھ وہ چکر کھا رہے ہیں۔

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور جو بدی لاتا ہے تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ تم کو بدلہ نہیں دیا جاتا مگر اسی کا، جو تم عمل کرتے تھے۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ۙ

مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور ہر چیز اسی کے لیے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ (2495)

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

اور کہ میں قرآن کی پیروی کروں، سو جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو کہہ دے میں صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع 7 11 3

اور کہہ، سب تعریف اللہ کے لیے ہے، وہ تمہیں اپنے نشان دکھائے گا پھر تم انہیں پہچان لو گے۔ اور تیرا رب اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔ (2496)

2495- یہ شہر مکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس شہر کے رب کی عبادت میں اشارہ ہے کہ یہ شہر آپ کو دیا جائے گا۔

2496- اللہ تعالیٰ کے نشانوں کو پہچان لینے میں یہ بشارت ہے کہ یہ مخالف آخر کار ایمان لے آئیں گے۔

سورۃ القصص

نام:

اس سورت کا نام اَلْقَصَصِ ہے اور اس میں 9 رکوع اور 88 آیات ہیں اور اس کا نام اَلْقَصَصِ سورت کے تیسرے رکوع میں آتا ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ کر مدین پہنچنے اور وہاں اپنی سرگزشت سنانے کا ذکر ہے۔ سورت کا نام ہی اَلْقَصَصِ رکھ کر اس واقعہ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت میں اسی کا خاص ذکر اس سورت میں مقصود ہے۔ اور اس میں آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ اور وہاں دس سال کے قیام کی طرف توجہ دلائی ہے، یہی وجہ ہے کہ پانچویں رکوع میں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ کی مماثلت کا ذکر ہے قیام مدین کا پھر خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اور سورت کا خاتمہ اس پیشگوئی پر کیا ہے کہ گو نبی ﷺ اب مکہ سے بھاگتے ہیں مگر آپ کا یہاں واپس لایا جانا یقینی ہے گویا ہجرت ہی اس سورت کا خاص مضمون ہے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کی سرگزشت پر اس کا نام رکھا۔

خلاصہ مضمون:

① پہلے رکوع میں مضمون کی ابتدا اس سے کی ہے کہ فرعون ایک قوم کو تباہ کرنا چاہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ اس قوم کو بڑا بنانا چاہتا تھا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور دریا میں ڈالا جانا اور فرعون کا اس کی اپنی معرفت پرورش کرنا اسی پہلے رکوع میں مذکور ہے۔

② دوسرے رکوع میں یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح ایک قبطی کے ساتھ کچھ معاملہ پیش آیا جس کا نتیجہ قبطی کی موت ہوا اور اسی کی وجہ سے آپ کو مصر سے بھاگنا پڑا۔

③ تیسرے رکوع میں آپ کے مدین پہنچنے اور وہاں دس سال ٹھہرنے کا ذکر ہے۔

④ چوتھے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت۔ فرعون سے مقابلہ اور فرعون کی ہلاکت کا ذکر ہے

⑤ پانچویں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنحضرت ﷺ سے مماثلت کا ذکر ہے جس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ان واقعات کے ذکر میں آپ کی تاریخ کا ہی ذکر ہے۔

⑥ چھٹے رکوع میں بتایا ہے کہ گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور آنحضرت ﷺ کی وحی کو آپس میں ایک خاص مماثلت حاصل ہے مگر درحقیقت تمام انبیاء کی وحیوں کو باہم ایک تعلق حاصل ہے اور نہ صرف ان کی تعلیم کے اصل الاصول ایک ہیں بلکہ ایک دوسرے کے لیے پیشگوئیاں بھی موجود ہیں بالخصوص سب کی پیشگوئیاں ہمارے نبی ﷺ کے لیے ہیں۔

اٰیَاتُھَا 88 (28) سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ (49) رُکُوْعَاتُھَا 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ۝۱ — طور سینا پر موسیٰ (کی وحی پر غور کرو)۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ — یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ — ہم تجھ پر موسیٰ اور فرعون کی خبر سے کچھ حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ (2496)ل

---

۷ ساتویں میں بتایا کہ جو لوگ نمبر دار بن کر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، ان کا انجام کیسا ہے۔

۸ آٹھویں میں قارون کا ذکر ہے کہ اس نے بھی کثرت مال پر فخر کر کے دوسروں کو گمراہ کیا۔اور

۹ نویں میں آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے بعد مکہ واپس آنے کی پیشگوئی کا ذکر کیا۔

تعلق:

یہ طٰسٓمّٓ کے مجموعہ کی آخری سورت ہے۔سب سے پہلی یعنی سورہ الشعراء میں فرعون کا ذکر کر کے بتایا تھا کہ بنی اسرئیل کو طاقت اور حکومت ملے گی۔دوسری یعنی النمل میں بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کو یہ عظمت حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں نصیب ہوئی اب اس تیسری میں بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی یہ شان وشوکت آپ کی ہجرت سے وابستہ ہے۔اسلام کی کل ترقیوں کی بنیاد ہجرت ہے،اس لیے اس سورت کو اس مجموعہ کے آخر پر رکھا۔

زمانہ نزول:

زمانہ نزول کے متعلق جو کچھ سورۂ شعراء میں لکھا گیا ہے کافی ہے۔اس سورت کے آخری رکوع کی ایک آیت کا نزول عین ہجرت کے اندر ہوا۔ممکن ہے ساری سورت ہجرت کے بالکل قریب زمانہ میں نازل ہوئی ہو۔

2496ل- **<u>فرعون اور بنی اسرئیل کے قصہ کو مومنوں کے لیے بیان کرنا صاف بتاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں اور ان کے اعدا کا ذکر ہے۔</u>** اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی قریش نے وہی سلوک کیا جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا۔مگر جیسی صفائی سے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ موجودہ زمانہ میں دُہرائی گئی ہے وہ ایسی بے نظیر ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی تھی۔آج مہذب حکمرانوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے عجیب عجیب طریق ایجاد

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴

فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اس کے رہنے والوں کو فرقے بنا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرتا جاتا تھا، ان کے بیٹوں کو مار دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا، وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ (2497)

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ۙ

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کیے گئے تھے اور اُنہیں امام بنائیں، اور انہیں وارث بنائیں۔ (2498)

کیے ہیں آج انہیں بہت سے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے جو مہذب قوموں کے لیے خاص سمجھے جاتے ہیں اور بایں عیسائیت اپنے سارے سامانوں اور ساری شوکت کے ساتھ اسلام کے نام سے خائف ہے جو چاہے آج موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ میں پڑھ لے۔

2497- فرعون کے اس ملک کے رہنے والوں کو گروہ گروہ کر دینے سے یہ منشا ہے کہ ایک ہی ملک کے رہنے والوں کے مختلف گروہ بنا دیئے ایک گروہ کے حقوق بہت قرار دیئے اور دوسرے کو ذلیل رکھنا چاہا۔ یہ دوسرا گروہ بنی اسرائیل کا تھا جنہیں اس ملک میں رہتے ہوئے عرصہ دراز گزر چکا تھا اب فرعون نے ان کو ملک میں **اچھے کاموں اور اعلیٰ عہدوں سے محروم** کر کے طرح طرح کی ذلت کے کام ان کے سپرد کیے ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ یہاں تک کہ اس ساری قوم کو غلامی کی حالت میں رکھنا شروع کیا ﴿اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور اپنی قوم کو حاکم اور مالک بنایا۔ اسی وجہ سے اسے مفسد کہا ہے۔ فساد صرف یہی نہیں کہ ملک میں بدامنی پھیلائے بلکہ کسی قوم کو انسانیت کے حقوق مساوی سے محروم کرنا بھی فساد ہے۔ یہی وہ فساد ہے جس کا ارتکاب آج دنیا میں مغربی قومیں کر رہی ہیں کہ وہ مشرقی قوموں کو کمزور اور بہت سے حقوق سے محروم کر رہی ہیں۔

2498- ﴿اَئِمَّةً﴾ سے مراد دین میں پیشرو ہیں۔ وَارِثِيْنَ سے مراد ملک وحکومت کے وارث ہیں یعنی الٰہی ارادہ یہ تھا کہ ان میں دین و دنیا کی دونوں خوبیاں جمع کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ دنیا میں **کمزوروں کو طاقتور بنا کر** اپنی طاقت پر فخر کرنے والوں کو نیچا دکھا کر اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا رہا ہے۔ یہی نظارہ بنی اسرائیل میں دکھایا۔ یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں دکھایا جس کی طرف یہاں اشارہ ہے اور یہی وہ اب پھر بھی دکھائے گا۔ کیونکہ اب بھی بعض قومیں دوسری قوموں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر کے کمزور کرنا چاہتی ہیں۔

وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶

اور انہیں زمین میں طاقت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیز دکھائیں، جس سے وہ ڈرتے تھے۔ (2499)

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷

اور موسیٰ کی ماں کو ہم نے وحی کی کہ اسے دودھ پلا، پھر جب اس کے متعلق تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا، ہم اسے تیری طرف واپس لائیں گے اور اسے مرسلوں میں سے بنائیں گے۔ (2500)

2499- **ہامان** فرعون کا سرلشکر یا کوئی بڑا عہدے دار معلوم ہوتا ہے۔ بائبل میں اس کا ذکر نہیں، مگر ایران کے ایک بادشاہ کے مقربین میں ایک کا نام ہامان تھا۔ اس لیے پادری صاحبان اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے خلط واقعات کر دیا ہے۔ بائبل میں تو جو کچھ ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں۔ جن باتوں کا اس میں ذکر نہیں ان کو فرضی قرار دینا انہی عقلمندوں کا کام ہوسکتا ہے۔ جو تین کے ایک کے برابر ہونے کے قائل ہیں۔ یہ کیوں ناممکن ہے کہ فرعون کے کسی سردار کا نام بھی ہامان ہو۔ قرآن کریم نے ایسے ایسے واقعات بیان کر کے جنہیں دنیا میں کوئی نہ جانتا تھا اور جن کی صداقت پر آج واقعات نے مہر لگا دی ہے اپنے بیانات کا ہر قسم کے شبہات سے بالاتر ہونا ثابت کر دیا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ **فرعون کو بنی اسرائیل سے کچھ خوف تھا**۔ یعنی یہ کہ یہ قوم کسی دن غالب آجائے گی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ان کی تعداد مصریوں کے مقابل میں کچھ بھی نہ تھی۔ بعینہ یہی حالت آج مغربی اقوام کی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو خوب پامال کر کے اور ان کی طاقت کو جہاں تک ممکن تھا توڑ کر اور انہیں دنیا بھر میں اپنے غلام بنا کر پھر بھی ان سے ہر وقت ڈرتے ہیں اور پین اسلامزم کا نام یورپ کے لیے ایک ہوا بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے آخر جو چیز غالب آنے والی ہوتی ہے اس کا خوف بڑے بڑے طاقتوروں کے دلوں میں ہوتا ہے خواہ وہ کتنی کمزور نظر آئے۔ اسلام کا جو خوف یورپ کے دلوں میں ہے وہی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ **اسلام غالب آنے والا ہے**۔

2500- **غیر انبیاء کو وحی یقینی ہونا:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نبی نہ تھیں مگر ان کو وحی ہوئی جس سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر انبیاء کو وحی ہوتی ہے اور اس لیے گو اس امت میں نبوت نہیں مگر وحی کا سلسلہ جاری ہے اور غیر انبیاء کی وحی یقینی ہونا خود یہاں سے ظاہر ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ جب فرعون کی طرف سے پکڑے جانے کا خوف ہو تو بچہ کو دریا میں ڈال دے، دوسری جگہ ہے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے ﴿اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ﴾ [طٰہٰ:

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸

پس فرعون کے لوگوں نے اُسے اٹھالیا تا کہ وہ ان کے لیے دشمن اور (موجب) غم ہو، فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر بلاشبہ خطا کار تھے۔ (2501)

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

اور فرعون کی عورت نے کہا میرے لیے اور تیرے لیے آنکھ کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو، شاید وہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ نہیں جانتے تھے۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰

اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہوگیا، قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر ہی کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تا کہ وہ مومنوں میں سے ہو۔ (2502)

39:20] ''کہ اسے صندوق میں ڈال دے، پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے۔'' اگر یقینی وحی نہ ہوتی تو ماں اپنے بچہ کو ہلاکت میں نہ ڈالتی۔ ضائع ہونے کا خوف نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بچانے کا وعدہ کیا۔ اور مفارقت کا غم نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے واپس لانے کا وعدہ کیا۔ بائبل میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی تھی بلکہ موسیٰ کو دریا میں ڈال دینا محض اس کے اپنے خیال کی طرف منسوب ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ظاہر کر کے اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل بنا دیا ہے۔ بائبل میں یہ ایک بھاری نقص ہے کہ اس نے ان تذکروں کو محض قصوں کا رنگ دے دیا ہے۔ اور وہ چیز جس سے بڑے بڑے روحانی یا اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں وہ اس میں نہیں پائی جاتی۔ یہ کمال قرآن کریم کا ہے کہ بائبل کے ان نقصوں کو دور کر دیا ہے۔

2501- ﴿اِلْتَقَطَ﴾۔ لُقَطٌ اور اِلْتِقَاطٌ کے معنیٰ ہیں ایک چیز کا زمین سے اُٹھالینا اور لُقْطَةٌ وہ چیز ہے جو پڑی ہوئی پائی جائے اور اٹھا لی جائے۔ (ل)

لِيَكُوْنَ میں **لام عاقبت کا ہے** یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے موجب غم ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اُٹھایا اس غرض سے تھا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے موجب غم ہو۔

2502- ﴿فَارِغٌ﴾۔ فَرَاغٌ [دیکھو نمبر: 320] اور فَارِغٌ کے معنیٰ خالی ہیں یہاں مراد بعض نے موسیٰ کے ذکر سے خالی لیا ہے یعنی اس کا

وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور (موسیٰ کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا، اس کے پیچھے پیچھے جا، سو وہ اُسے دور سے دیکھتی رہی اور انہوں نے معلوم نہ کیا۔

وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے اسے پہلے سے (اور) دودھ پینے سے روک دیا، سو اس نے کہا کیا میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں جو اسے تمہارے لیے پالیں اور اس کے خیر خواہ ہوں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع 1 13 4

سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس کر دیا تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کرے اور تا کہ وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچا اور کمال حاصل کیا ہم نے اسے فہم اور علم دیا۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو بدلے دیتے ہیں۔ (2503)

وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا

اور وہ شہر میں اس کے باشندوں کی بے خبری کے وقت میں داخل ہوا، تو اس میں دو شخصوں کو لڑتے پایا وہ (ایک) اس کی

ذکر بھول گئی اور اسے تسکین قلب حاصل ہو گئی اور بعض کے نزدیک سوائے اس کے ذکر کے اور چیزوں سے خالی ہونا مراد ہے۔ (غ) ﴿لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ﴾ کی بشارت بتاتی ہے کہ خوف وحزن سے خالی ہونا مراد ہے ﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ﴾۔ یعنی قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتیں اگر اللہ تعالیٰ نے دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا۔ اور بعض نے ظاہر کر دینے سے مراد لیا ہے کہ بسبب خوشی کے جو حضرت موسیٰ کے بچ جانے سے حاصل ہوئی اس واقعہ کو ظاہر کر دیتی (ر)

2503- یہ حکم یعنی فہم [دیکھو نمبر: 1980] اور علم نبوت سے قبل ہیں اسی لیے فرمایا کہ ہر ایک نیکی کرنے والے کو ہم فہم اور علم دیتے ہیں نبوت آپ کو بہت بعد میں ملی۔

مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮

قوم سے تھا اور وہ (دوسرا) اس کی دشمن (قوم) سے تو اس نے جو اس کی قوم سے تھا اس کے خلاف اس سے مدد مانگی جو اس کی دشمن (قوم) سے تھا، پس موسیٰ نے اُسے ایک مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے عمل کی وجہ سے ہے، وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ (2504)

2504- وَ کَزَ۔ وَ کَزَ بند کیے ہوئے ہاتھ یعنی مکے سے مارنا اور روکنا ہے۔ (غ)

قَضٰی۔ [دیکھو نمبر: 149] وغیرہ۔ مگر قضا سے مراد موت بھی لی جاتی ہے جیسے ﴿مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ [الأحزاب: 23:33] ''جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا۔'' میں بعض نے معنیٰ نذر کا پورا کرنا اور بعض نے موت مراد لی ہے اور موت کے معنی میں ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۟﴾ [الحاقة: 27:69] ''اے کاش! وہ (موت) کام تمام کرنے والی ہوتی۔'' ﴿لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف: 77:43] ''تیرا رب ہمارا کام تمام کر دے۔'' (غ) یہاں معنیٰ موت ہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مارنا آپ کی عصمت کے خلاف اعتراض سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اسے اسرائیلی پر حملہ کرنے سے روکا ہے اور ایک مکا مارا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل غلامی کی حالت میں تھے اس لیے قبطی کی زیادتی اسرائیلی پر ہوسکتی ہے نہ اسرائیلی کی قبطی پر۔ پس حضرت موسیٰ کا اسرائیلی کو بچانے کے لیے قبطی کو مکا مارنا بالکل حق بجانب فعل تھا اور بائبل میں یہ ذکر موجود بھی ہے کہ مصری اسرائیلی کو مار رہا تھا۔ [خروج: 12:2] لیکن مکا مارنا قتل کرنے کا ذریعہ نہیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہ تھا مگر قبطی مر گیا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ پہلے ہی شراب خوری یا کسی اور وجہ سے ایسی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ ایک مکے سے مر گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ ایسا شخص دوسرے پر زیاتی کیا کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وجہ حاکم و محکوم کا فرق ہے۔ محکومیت کی حالت میں رہ کر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے قوی آدمی ایک ذلیل نیم مردہ حاکم سے بھی مار کھا لیتے ہیں اور سامنے بولنے کی جرأت نہیں کرتے ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ نہیں ہوسکتی کہ یہ میرا فعل عمل شیطانی ہے کیونکہ وہ تو بالکل حق بجانب تھا۔ پس ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ میں یا تو یہ بتایا ہے کہ یہ تمہاری موت تمہاری اس زیاتی اور ظلم کا نتیجہ ہے جو تم نے ایک غریب اسرائیلی پر کیا۔ اور وہ یقیناً شیطانی فعل ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ مکے سے موت کا واقع ہو جانا اس شخص کے کسی شیطانی فعل شرابخوری یا زناکاری کا نتیجہ ہے۔

قرآن کی اصلاح بائبل کا ایک اور واقعہ:

بائبل میں بجائے مکا مارنے کے یوں ذکر ہے: ''تب اس مصری کو مار ڈالا اور ریت میں چھپا دیا۔'' [خروج: 12:2] جو صاف طور پر ایک مجرمانہ فعل نظر آتا ہے تعجب ہے ان لوگوں پر جو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم بائبل سے لیتا ہے۔ حالانکہ یہاں قدم قدم پر

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾

کہا میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو میری حفاظت فرما۔ سو (اللہ نے) اس کی حفاظت فرمائی وہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (2505)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

کہا میرے رب اس لیے کہ تو نے مجھ پر انعام کیا میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ (2506)

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾

پس شہر میں ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے صبح کی کہ ناگہاں وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی اُسے مدد کے لیے پکارنے لگا۔ موسیٰ نے اُسے کہا، تو یقیناً کُھلا گمراہ ہے۔ (2507)

بائبل کی اصلاح موجود ہے۔ صرف ایک مکے کا ذکر کر کے قرآن کریم نے انبیاء کی عصمت کے اصول کو قائم رکھا ہے بائبل میں اس ذکر کے نہ ہونے سے یہ ایک مجرمانہ فعل بن گیا ہے۔

2505- یہاں **نفس پر ظلم** سے مراد اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالنا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح ظالموں کو اپنے اوپر ظلم کرنے کا ایک موقعہ دے دیا اور غفر سے مراد حفاظت ہے اور اگر اسے غلطی بھی مانا جائے تو یہ غلطی ارادہ اور عمد سے نہیں نہ گناہ کہلا سکتی ہے بلکہ یہ ایک خطا تھی کہ مکا مارا تو موت واقع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا حفاظت فرمانا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ظالم قوم کے ہاتھ سے بچا دیا۔

2506- انعام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قبطی کے قتل سے پہلے تھا پس مراد یہی ہے کہ تیرے انعامات کو پا کر میں مجرموں کا مددگار کبھی ہو سکتا ہی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ پیچھے جو کیا سو کیا آئندہ مجرموں کا مددگار نہیں ہونگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کے **جرم میں اس کی اعانت کرنا** بھی جرم ہے۔

2507- اَمْسَ۔ گزرے ہوئے دن کو کہتے ہیں مگر قریب گذشتہ زمانہ پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ حدیث مغیرہ میں ہے: [وَهَلْ غَسَلْتَ عَنْكَ غَدْرَتَكَ إِلاَّ أَمْسَ] (مصنف ابن أبي شيبة، جلد14، صفحہ 447) جہاں اشارہ کسی بیوفائی کی طرف ہے جو مغیرہ نے ایام جاہلیت میں کسی قوم سے کی تھی اس کو یہاں امس کہا ہے یعنی کل تو نے ایسا کیا تھا۔

﴿یَسْتَصْرِخُ﴾۔ صَرْخٌ کے لیے [دیکھو: 410] اور اِسْتِصْرَاخٌ اور استغاثہ کے ایک معنی ہیں یعنی مدد چاہنا۔ (ل)

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۚ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝۱۹

پس جب اس نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑے جو دونوں کا دشمن تھا، اس نے کہا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے قتل کر دے، جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر دیا، تُو کچھ نہیں چاہتا مگر یہی کہ ملک میں زبردست ہو جائے، اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ (2508)

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۰

اور شہر کی پرلی طرف سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے موسیٰ بڑے بڑے لوگ تیرے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں، سو تو نکل جا میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۱ ع 2 8 5

سو ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا اس سے نکل پڑا، کہا میرے رب مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔

یہاں پر اسی اسرائیلی کا ذکر ہے جس کی مدد پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی اس کا فریاد کرنا بتاتا ہے کہ وہ کسی سے لڑائی کر رہا ہے یہ دوسرا شخص مصری ہے یا اسرائیلی۔ قرآن کریم میں ذکر نہیں مگر بائبل میں ہے کہ اس موقعہ پر دونوں عبرانی تھے جو باہم لڑ رہے تھے اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں زیادتی کرنے والا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام گمراہ قرار دیتے ہیں وہی کل والا اسرائیلی ہے اور ایک محکوم اسرائیلی کا حاکم مصری پر زیادتی کرنا بعید از قیاس ہے۔

2508- یہاں ﴿عَدُوٌّ لَّهُمَا﴾ کون ہے یعنی دو کا دشمن۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی شخص ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غوی کہا یعنی غلطی پر قرار دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی پر زیادتی کر رہا تھا۔ پس اول تو وہ اس شخص کا دشمن تھا جس پر زیادتی کر رہا تھا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن ہوا اس لیے کہ وہ ناحق پر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس ظالم کو پکڑ کر مظلوم کو چھڑا دے اس نے شور ڈال دیا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔ اس سے حکام کو خبر پہنچ گئی اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا فیصلہ کیا مگر کسی خیر خواہ نے گرفتاری سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر پہنچا دی جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے اور آپ وہاں سے بھاگ گئے۔

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

اور جب (موسیٰ نے) مدین کی طرف رخ کیا، کہا اُمید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے رستہ پر چلائے گا۔

وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ؕ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور جب مدین کے پانی پر پہنچا، اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو (مویشیوں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا، اور ان سے سوائے دو عورتوں کو پایا، جو (اپنی بکریوں کو) روک رہی تھیں۔ کہا تمہارا کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے کہا ہم پانی نہیں پلا سکتیں، جب تک کہ چرواہے (اپنے جانوروں کو) نہ لے جائیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔ (2509)

2509- ﴿تَذُوْدَانِ﴾۔ ذُوْدٌ کے معنی چلانا، ہانکنا اور روکنا ہیں۔

﴿يُصْدِرُ﴾۔ صَدْرٌ سینہ کو کہتے ہیں پھر ہر چیز کے مقدم کو اور صَدَرَ کا اس کا قصد کیا اور صلہ عن ہو تو اس کے معنی انصراف یعنی پھرنا ہوتے ہیں۔ (غ) اور اَصْدَرَ دوسرے کو پھیرا۔ یہاں جانوروں کو واپس لیجانا مراد ہے۔

﴿رِعَآءٌ﴾۔ اور رُعَاةٌ۔ رَاعٍ کی جمع ہیں اور رَعْیٌ اصل میں حیوان کی حفاظت ہے غذا پہنچانے سے ہو یعنی چرانے سے یا دشمن سے اس کے بچانے سے اور مرعی چرانے کی جگہ ہے۔

﴿وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ [طٰهٰ: 54:20] ''اور اپنے چارپایوں کو چراؤ۔'' ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۪﴾ [النازعات: 31:79] ''اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا'' پس رَاعٍ چرواہا ہے اور رَعْیٌ اور رَعَاءٌ حفاظت اور سیاست پر بھی آتا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے: [كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ] (صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ، حديث: 893) (غ)

یہ شیخ کبیر اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور بعض نے کہا ہے کہ شعیب کے بھتیجے اثرون تھے اور شعیب کا نام بائبل میں یثرو ہے اور بائبل میں اس شخص کو مدین کا کاہن رعوائل نام قرار دیا ہے اور یہی نام مفسرین میں سے ابن جریج نے اختیار کیا ہے۔ یہ بھی فطرت انبیاء کا نقشہ ہے کہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کے حامی ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل نووارد اجنبی ہیں مگر جب دو لڑکیوں کی بے کسی کو دیکھا تو ان کی فطری ہمدردیٔ انسانی نے جوش مارا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یتیموں، بیواؤں، عورتوں، غلاموں کے حقوق دلانے میں وہ کام کیا جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾

سو اس نے اُن کے لیے پانی پلا دیا، پھر سایہ کی طرف پھر آیا اور کہا میرے رب جو بھلائی تو میری طرف بھیجے میں اس کو محتاج ہوں۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۟ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

پس اُن دونوں میں سے ایک حیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی میرا باپ تجھے بلاتا ہے، تاکہ تجھے اس کی اجرت بدلہ میں دے، جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا۔ سو جب اس کے پاس آیا اور سرگزشت اس سے بیان کی، اس نے کہا ڈر نہیں تو ظالم لوگوں سے بچ گیا۔ (2510)

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾

دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ اسے نوکر رکھ لے بہتر ہیں نوکر جو تو رکھنا چاہے مضبوط امین ہے۔ (2511)

2510- اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ **عورت کی چال میں خصوصیت سے حیا** ہونا چاہئے۔ اپنے کام کاج کے لیے عورتوں کو باہر نکلنا پڑتا ہے اور ان کے باہر نکلنے میں حرج کوئی نہیں لیکن اگر وہ حیا سے اپنی آنکھ کو نیچا رکھیں اور صرف اپنے کام سے کام رکھیں تو دوسروں پر بھی نیک اثر ڈال سکتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ کوئی کچھ کام کرے تو **اس کی اجرت دے دینی چاہئے**۔ اسی لفظ اَلْقَصَصْ سے جو اس آیت میں آیا ہے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سورت میں اہمیت اسی واقعہ کو دی گئی ہے اور اصل میں اس کو وقعت دے کر اشارہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت اور ظالموں کے ہاتھ سے نجات پانے وغیرہ کی طرف کیا ہے۔ گویا توجہ دلائی ہے کہ اس سورت میں اہم واقعہ جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت مدین اور وہاں سے بالآخر واپس آنا ہے۔ [دیکھو نمبر: 2512] و [نمبر: 2542]

2511- ﴿اسْتَاْجِرْهُ﴾ اسْتَأْجِرْ۔ اَجْرٍ اور اُجْرَةٌ وہ ہے جو عمل کے بدلہ سے لوٹ کر آتا ہے دنیوی ہو یا اخروی۔ ﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ [یونس: 72:10] ''میرا اجر صرف اللہ پر ہے۔'' ﴿اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا﴾ [العنکبوت: 27:29] ''ہم نے اسے دنیا میں اس کا اجر دیا۔'' اور اَجَر کے معنی ہیں کوئی چیز اسے اجرت کے بدلہ میں دی ﴿اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾ [27] یعنی ملازمت

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں اِس شرط پر کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے پھر اگر تو دس (سال) پورے کرے تو یہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تُو مجھے نیکوکاروں سے پائے گا۔ (2512)

قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع 3 7 6

(موسیٰ نے) کہا یہ میرے اور تیرے درمیان وعدہ ہوا، جونسی مدّت میں پوری کر دوں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں کارساز ہے۔

اختیار کرنا گویا نَفْسَكَ یہاں محذوف ہے اور اِسْتِئْجَارٌ کسی چیز کا اجرت کے عوض طلب کرنا ہے۔ پھر اجرت پر کسی چیز کا لینا بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ (غ)

2512- ﴿حِجَجٍ﴾ حِجَّةٌ کی جمع ہے جس کے معنی سال ہیں۔

لڑکی کے نکاح میں دینے کا عوض لینا جائز نہیں:

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بیٹی دینے کے عوض میں خدمت نہیں لی گئی بلکہ اس خدمت کا ذکر نکاح سے پہلے سے ہے۔ ظاہر ہے کہ شیخ کبیر کو ضرورت ہے کہ کوئی اس کا ملازم ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ضرورت ہے کہ کوئی صورت ان کے معاش کی ہو۔ اس لیے خود بیٹیاں یہ تجویز کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھ لیا جائے۔ نکاح کر دینا الگ معاملہ تھا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ لڑکی کے والد نے چاہا کہ کم از کم کچھ مدت ان کا داماد ان کے پاس رہے، اس لیے آٹھ سال کی شرط لگائی۔ اور اس ملازمت کے لیے اجر اور استاجر اختیار کر کے خود بتا دیا کہ مراد اس سے کوئی کام کسی اجرت کے عوض لینا ہے۔ پس کام کی اجرت الگ ہے جس سے نکاح کو کوئی تعلق نہیں۔ جن لوگوں نے اس سے یہ نکالا ہے کہ بیٹی نکاح میں دے کر داماد سے کچھ وصول کر لینا جائز ہے انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ اور یہ رواج جو بعض قوموں میں پایا جاتا ہے اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ ﴿فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یہ تمہارے اختیار کی بات ہے میں مجبور نہیں کرتا۔ یہ مطلب نہیں کہ پھر تم جس سے چاہو نکاح کر لو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تاریخ کا ہونا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لیکن بعض پہلو اس

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ؕ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

جب موسیٰ نے مدّت پوری کرلی اور اپنے گھر والوں کے ساتھ چلا، طور کی طرف سے آگ دیکھ، تو اپنے گھر والوں سے کہا، ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہیں اس سے کچھ خبر لادوں یا آگ کا انگارہ (لادوں) تاکہ تم تاپو۔ (2513)

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾

سو جب اس کے پاس آیا، وادی کے دائیں جانب میں درخت والی بابرکت جگہ میں، آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ (تعالیٰ) جہانوں کا رب ہوں۔ (2514)

تاریخ کے نہایت حیرت انگیز ہیں۔ یہ آٹھ اور دس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں رہنے کا واقعہ بائبل میں مذکور نہیں۔ مگر قرآن کریم نے اسے بیان کیا ہے اور اس کی سچائی پر اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ بعینہٖ یہی واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتا ہے۔ یہ سورت مکی ہے، ہجرت کے قریب کی ہے، اس کی ایک آیت عین ہجرت کے اندر نازل ہوئی۔ جس میں یہ وعدہ ہے کہ اس وقت تو تم مکہ سے بھاگ رہے ہو لیکن ہم اسی مکہ میں تمہیں واپس بھی لائیں گے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ﴾ [85] تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں آٹھ اور دس سال کا واقعہ اس لیے بیان کیا کہ جتنی مدت وہ مدین میں رہے وہی مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں رہنے کی تھی۔ آٹھ سال بعد آپ مکہ میں بحیثیت فاتح واپس آجاتے ہیں اور دس سال آپ کی کل مدت اقامت مدینہ ہے۔ جس کے بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملتے ہیں۔ کیا اس واقعہ سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ آٹھ اور دس سال کا واقعہ عالم الغیب خدا کی طرف سے ہے۔ **بائبل ناقص ہے** اور قرآن کریم نے اس کے نقصوں کی اصلاح کی ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو آج یہودی انسائیکلو پیڈیا سے ہمیں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین دس سال رہے مگر آٹھ سال کا ذکر وہاں بھی نہیں۔ کیا یہ عالم الغیب خدا کے سوائے کسی کا کلام ہوسکتا ہے۔

2513- ﴿جَذْوَةٍ﴾ جو شعلہ کے بعد رہ جاتا ہے یعنی انگارا یا کوئلہ۔

2514- ﴿شَاطِئِ﴾ جانب یا کنارہ ہے اور شَطْأٌ اگنے والی چیز کی سوئی ہے یعنی جو چیز اس سے نکل کر دونوں طرفوں میں پھیل جاتی ہے۔ (غ)

﴿الْبُقْعَةِ﴾ بَقَعٌ اور بُقْعَةٌ رنگ کا اختلاف ہے۔ یعنی ایک رنگ میں دوسرے رنگ کا ہونا۔ اور بُقْعَةٌ اس قطع زمین کو کہتے ہیں جو اپنے پاس والی زمین کی ہیئت سے علیحدہ ہیئت پر ہو۔ (ل)

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور اپنا عصا ڈال دے، سو جب اُسے ہلتا ہوا دیکھا گویا وہ چھوٹا سانپ ہے پیٹھ پھیرتا ہوا اُلٹا پھر گیا اور پیچھے نہ مڑا، اے موسیٰ آگے آ اور ڈر نہیں تو امن پانے والوں میں سے ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی عیب کے سفید ہو کر نکلے گا اور خوف میں اپنا بازو اپنی طرف ملا لے یہ دو روشن دلیلیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ہیں، وہ نافرمان لوگ ہیں۔ (2515)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

اس نے کہا، میرے رب میں نے اُن میں سے ایک شخص کو قتل کیا تھا سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں۔

﴿مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ﴾ اَيْمَنْ کے معنی اگر دایاں لیا جائے تو شَاطِئِ کی صفت ہوگی یعنی دائیں جانب سے۔ اور اگر ایمن کے معنی بابرکت ہوں تو شَاطِئِ یا وَادِی دونوں کی صفت ہو سکتی ہے۔ اور ﴿فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ﴾ شَاطِئِ سے حال ہے یعنی وہ اس مبارک قطعہ میں زمین تھی۔ اور ﴿مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ بدل اشتمال ہے شَاطِئِ سے یعنی وہ جانب درختوں والی تھی۔ اور معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو ادھر سے آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی اور یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی جب وہ اس جگہ تھا [نُوْدِيَ كَائِنًا فِيْ شَاطِيءِ الْوَادِيْ]۔(ر)

2515- ﴿اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ﴾ جَنَاح سے مراد ہاتھ یا بازو ہے۔ [دیکھو نمبر: 1822] اور [ضَمُّ الْجَنَاحْ] کنایہ ہے تجلد اور ضبط سے اور وہ پرند کے فعل سے ماخوذ ہے کہ خوف کے بعد حالت امن ہو تو وہ ایسا کرتا ہے۔ (ر) مطلب یہ ہوا کہ خوف کے وقت گھبراؤ نہیں۔ اور ﴿مِنَ الرَّهْبِ﴾ سے مراد [مِنْ اَجْلِ الرَّهْبِ] ہے۔

وَ اَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۳۴﴾

اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے فصیح زبان والا ہے۔سو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے۔میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔(2516)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۳۵﴾

مُعَانَقَۃٌ 11

کہا، ہم تیرا بازو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور تمہیں غلبہ دیں گے، سو وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہمارے نشانوں کے ساتھ (جاؤ) تم دونوں اور جو تمہاری پیروی کرے غالب رہو گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًی وَّ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۶﴾

سو جب موسیٰ ہمارے کھلے نشانوں کے ساتھ ان کے پاس آیا، انہوں نے کہا یہ کچھ نہیں مگر بنایا ہوا جادو ہے۔اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں میں یہ نہیں سنا۔(2517)

وَ قَالَ مُوۡسٰی رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی مِنۡ عِنۡدِهٖ وَ مَنۡ تَکُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۳۷﴾

اور موسیٰ نے کہا، میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لایا ہے اور اسے جس کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے، ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔

2516- ﴿رِدۡاً﴾ جو دوسرے کے پیچھے اس کا مددگار ہو کر چلتا ہے اور رِدِیْ بھی اصل میں اسی کی طرح ہے۔لیکن اس کا استعمال پیچھے رہ جانے والے مذموم پر ہے۔اور رَدٰی ہلاکت ہے۔(غ)

﴿اَفۡصَحُ﴾ فَصُحَ کسی چیز کا ملاوٹ سے خالص ہونا۔فَصُحَ اس کا محاورہ جید ہے اسی سے فَصِیۡحٌ ہے۔(غ)

2517- غالباً اس سے مراد توحید نبوت وغیرہ اور ان کی دلائل ہیں۔ساحروں کا رسیوں کے سانپ وغیرہ بنانا ایسا امر نہیں جس کے متعلق وہ کہہ سکتے کہ اپنے باپ دادوں سے ہم نے یہ نہیں سنا۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور فرعون نے کہا، اے سردارو! میں تمہارے لیے اپنے سوائے کوئی معبود نہیں جانتا۔ سو اے ہامان میرے لیے پکی اینٹیں بنوا، پھر میرے لیے ایک محل بنوا، تاکہ میں موسیٰ کے خدا پر اطلاع پاؤں اور میں اسے یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں۔ (2518)

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور اُس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناحق تکبر کیا۔ اور انہوں نے سمجھا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور انہیں سمندر میں ڈال دیا، سو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہم نے انہیں (ایسے) پیشرو بنایا جو آگ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن انہیں مدد نہیں دی جائے گی۔

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع 4 14 7

اور ہم نے اُن کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بُرے حال والوں میں سے ہوں گے۔ (2519)

2518- مٹی پر آگ جلوانے سے مراد اینٹ کا پکانا ہے۔ ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست اقوام کی طرح وہ بادشاہ کو بھی خدا کی طرح مانتے تھے اور بمقابلہ دیگر اشیا جن کی پرستش کی جاتی تھی بادشاہ کی عزت بہت بڑھ کر ہوگی اور فرعون نے موسیٰ کے رب العالمین کے مقابل پر اپنے آپ کو پیش کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقابلہ توحید باری تعالیٰ پر ہی تھا اور محل بنوانا بطور استہزا تھا یا وہ سچ مچ خیال کرتا ہوگا کہ اوپر محل کے ذریعہ سے آسمان کی حالت کو دیکھا جا سکتا ہے اور کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان پر ہے۔

2519- ﴿الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ قبیح چیزوں میں سے وہ ہے جس سے نظر (نفرت کی وجہ سے) دور ہوتی ہے اور اعمال میں سے وہ جس سے

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اس کے بعد کہ ہم نے پہلی نسلوں کو ہلاک کر دیا (جو) لوگوں کے لیے روشن دلیلیں اور ہدایت اور رحمت (تھی) تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ۙ

اور تو مغربی جانب میں نہ تھا، جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور تو حاضر ہونے والوں میں سے نہ تھا۔

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

لیکن ہم نے (کئی) نسلیں پیدا کیں، پھر اُن پر لمبا زمانہ گزر گیا اور تو اہل مدین میں ٹھہرا ہوا نہ تھا کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہو۔ لیکن ہم ہی رسول بھیجتے رہے ہیں۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تو طور کے کنارے پر نہ تھا، جب ہم نے آواز دی لیکن یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہوئی تا کہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے ڈرانے والا نہیں آیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (2520)

دل دوری اختیار کرتا ہے اور مَقْبُوْحٌ وہ ہے جو ایسی حالت منکرہ سے موسوم ہو اور [قَبَحَ اللّٰهُ عَنِ الْخَيْرِ] کے معنی ہیں اسے بھلائی سے ایک طرف یا دور کر دیا۔ (غ) اور مَقْبُوْحٌ کے معنی مَطْرُوْدٌ بھی ہیں یعنی خیر سے دور کیا گیا۔ (ر)

2520- ان آیات میں جس بات کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے وہ **حضرت موسیٰؑ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی مشابہت ہے** اس مشابہت کا واضح الفاظ میں [آیت:48] میں ذکر ہے ﴿سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کر کے آپ کو سچا ٹھہراتے ہیں اور آنحضرت ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور یہاں انہی پیشگوئیوں کی طرف ہی اشارہ ہے۔ اور مطلب یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو پیشگوئیاں آپ کے متعلق کیں وہ دو ہزار سال کے بعد پوری ہوئیں، تم کوئی اس وقت موسیٰ کے پاس تھے کہ وہ ایسی پیشگوئی

وَ لَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ انہیں اس کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے کوئی مصیبت پہنچے پھر وہ کہیں ہمارے رب کیوں تو نے ہماری طرف رسول نہ بھیجا، کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور مومنوں میں سے ہوتے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۫ وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

سو جب ہماری طرف سے حق اُن کے پاس آ گیا، کہنے لگے اسے کیوں اس کی مثل نہیں دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا۔ کیا انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا جو پہلے موسیٰ کو دیا گیا۔ کہنے لگے (یہ) دو جادو ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور کہنے لگے ہم سب کے منکر ہیں۔ (2521)

کر سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں علم نہ دیا ہوتا یا موسیٰ علیہ السلام کے جو حالات اب قرآن کریم میں بیان کیے جاتے ہیں اور اصولاً ویسی ہی تعلیم ایک عرب کا امی دیتا ہے جیسی تعلیم موسیٰ نے دی تھی۔ تو یہ باتیں تو ایسی ہیں کہ مشاہدہ کو چاہتی ہیں، لیکن تم تو اس وقت موجود نہ تھے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ علم غیب اور اب اسی کے مطابق اور ویسی ہی تعلیم دیتے ہوئے دو ہزار سال بعد ملک عرب میں ایک نبی کا آنا اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ دونوں باتیں، دونوں وحیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ تم مدین میں نہیں رہے تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ارادۂ قتل سے بھاگنا اور پھر مدین میں جا کر دس سال ٹھہرنا تمہاری زندگی میں اسی طرح پیش آنے والا ہے گویا کہ تم مدین میں ہی تھے حالانکہ مدین میں نہ تھے۔ ﴿اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا﴾ میں اس عرصہ دراز کا ذکر کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گزرا تھا۔ اور ﴿مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ میں اہل عرب کا ذکر کیا جن کے لیے پیشگوئی موجود ہے۔ کیونکہ ایک طرف بنی اسرائیل جن میں پے در پے رسول آتے رہے دوسری طرف **بنی اسماعیل ہیں جن میں ایک بھی رسول نہ آیا**۔ اور یہ کہنا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی طرف رسول تھے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ بنی اسماعیل کا ملک عرب میں پھیلنا اور قوم بننا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موت کے بعد وقوع میں آیا۔

2521- چونکہ اوپر کی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیوں اور ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کا ذکر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت پر قرآن میں بہت زور بھی دیا گیا ہے، اسی لیے بار بار موسیٰ اور فرعون کا قصہ یاد دلایا جاتا تھا۔ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ [المزمل: 15:73] ''ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے (جو) تم پر گواہ ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

کہہ تو اللہ کی طرف سے کوئی کتاب لاؤ جو اِن دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو (تاکہ) میں اس کی پیروی کروں اگر تم سچے ہو۔ (2522)

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع 5 8 8

پس اگر وہ تجھے جواب نہ دیں تو جان لو کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ اور اللہ (تعالیٰ) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

رسول بھیجا۔'' اسی لیے وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ پھر جو حالت فرعون کی موسیٰ کے مقابل پر ہوئی تھی وہی ہماری حالت کیوں نہیں ہوتی۔ ﴿مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى﴾ میں یہی اشارہ ہے کہ ایسا ہی نشان ہلاکت ہم پر بھی آئے اگر یہ نبی مثل موسیٰ ہے۔ جیسا اس کا دعویٰ ہے **تو پھر ہم فرعون کی طرح غرق کیوں نہیں ہوتے؟** اور جب انہیں تعلیم کی مماثلت پیشگوئیوں کے پورا ہونے توریت میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہونے وغیرہ امور کی طرف توجہ دلائی جاتی کہ کیا مماثلت کے لیے یہ کافی نہیں تو کہہ دیتے کہ یہ تو جادوگری ہے۔ دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ ﴿سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا﴾ سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بخاری نے تاریخ میں یہی معنی روایت کیے ہیں کہ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ ہیں۔ اور اگلی آیت میں ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ﴾ میں صاف بھی کر دیا ہے کہ سحران سے ان کی مراد توریت اور قرآن ہی ہیں۔ پس جو تائید و تصدیق تعلیم اور پیشگوئیوں سے ہوتی تھی اس کی پروانہ کرتے تھے اور یہی مطالبہ کرتے تھے کہ پھر ہم بھی فرعون کی طرح ہلاک ہو جائیں۔

2522- یہاں توریت اور قرآن کا باہم مقابلہ نہیں بلکہ ان کی اس حیثیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مؤید اور مصدق ہیں۔ کفار کے دونوں کے انکار پر فرمایا کہ ان دونوں کی شہادت کو رد کرتے ہو تو بتاؤ ان سے زیادہ ہدایت والی اور کون سی کتاب ہے جس کی پیروی کی جائے۔ اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ قرآن کریم کے بعد جو مرتبہ توریت کو حاصل ہے وہ دنیا کی اور کسی کتاب کو نہیں۔ توحید کی تعلیم جس صفائی اور زور کے ساتھ اور بت پرستی سے نفرت کی تعلیم جو توریت میں پائی جاتی ہے وہ نہ ویدوں میں ہے نہ دنیا کی اور کسی کتاب میں۔ اور اصولی اور اصل تعلیم تو توحید الٰہی ہے جس پر صداقت کا دارومدار ہے۔ اس لیے فرمایا کہ توریت و قرآن جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں اور ایک ہی تعلیم اصولی رنگ میں دیتے ہیں باوجودیکہ دونوں میں زمانہ اور ملک اور قوم کا اتنا بڑا فرق ہے اگر ان کی تائیدی شہادت کو قبول نہیں کرتے تو ان سے بہتر کوئی اور کتاب

وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور ہم اپنا کلام ایک دوسرے سے ملتا ہوا انہیں پہنچاتے رہے ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (2523)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (2524)

بتاؤ۔ اگلی آیت میں ﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ﴾ میں بتا دیا کہ اس مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتے۔ پس وہ کسی حق کی پیروی نہیں کرتے، اپنی خواہشات کے پیرو ہیں۔

2523- ﴿وَصَّلْنَا﴾ وَصْل اور اتصال اشیاء کا ایک دوسرے کے ساتھ ملانا ہے اور اشیاء اور معانی دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ [البقرۃ: 27:2] ''اسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے۔'' ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ [النسآء: 90:4] ''مگر جو ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے۔'' جہاں يَصِلُوْنَ کے معنی ہیں يَنْسِبُوْنَ یعنی ایسی قوم کی طرف منسوب ہیں کیونکہ جب دو آدمیوں کے درمیان نسبت یا مصاہرت ہو تو کہا جاتا ہے [فُلَانٌ مُتَّصِلٌ بِفُلَانٍ] اور یہاں ﴿وَصَّلْنَا﴾ کے معنی ہیں [اَكْثَرْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ مَرْصُوْلًا بَعْضُهُ بِبَعْضٍ] یعنی کلام ان کے لیے بہت بھیجا ہے جو بعض بعض سے ملا ہوا ہے۔ (غ) فَعَّلَ میں چونکہ مبالغہ یا تکثیر پائے جاتے ہیں اس لیے وَصَّلَ کے معنی ہیں بہت ملایا یا بار بار ملایا۔ (ت)

قول اور اس کی توصیل سے کیا مراد ہے؟ پچھلے رکوع میں قرآن کریم اور توریت کے ایک دوسرے کے مصدق اور مؤید ہونے کا ذکر تھا، اب اسی کو عام کیا ہے اور بتایا ہے کہ فی الحقیقت وحی الٰہی کہیں ہوئی ہو اور کبھی ہوئی ہو وہ سب ایک قول کے حکم میں ہے اور اس میں باہم بہت تعلق پایا جاتا ہے۔ گویا توریت و قرآن ہی ایک دوسرے کے مصدق اور مؤید نہیں بلکہ **سب وحی ہی ایک دوسرے کی مؤید ہے اور اس میں صداقت وحی** پر بڑی بھاری دلیل ہے کہ مختلف ملکوں میں، مختلف زمانوں میں، مختلف زبانوں میں جو وحیاں ہوتی ہیں ان سب کی غرض ایک ہی انسان کے اخلاق کو سنوارنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق پیدا کرنا، ان سب کے اصول ہیں۔ انسان کے اوپر ایک اور ہستی کا ہونا اور اعمال کی جزا و سزا کا حق ہونا تمام وحی پانے والے ایک ہی قسم کی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، مخلوق سے کمال درجہ کی ہمدردی رکھتے ہیں، بلا کسی اجر اور مزد کے کام کرتے ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک کی وحی میں دوسرے کے آنے کا ذکر ہے۔ بالخصوص جملہ انبیاء نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے آنے کی پیشگوئی کی ہے۔

2524- **دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے:** مفسرین دس یہودیوں یا چالیس عیسائیوں وغیرہ کا یہاں ذکر کرتے ہیں، مگر اس میں لاکھوں اور کروڑوں وہ انسان داخل ہیں جو ہر مذہب میں سے اسلام میں آئے، آتے ہیں اور آتے رہیں گے۔ کروڑہا ہندو اور بدھ مذہب کے پیرو، کروڑہا کنفیوشس کے پیرو، زردشت کے پیرو،

وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ان پر (قرآن) پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کہ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم اس سے پہلے بھی فرمانبردار تھے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

یہی ہیں جنہیں اُن کا اجر دو چند دیا جائے گا، اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بدی کو نیکی کے ساتھ دور کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ (2525)

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب لغویات سنتے ہیں اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں تمہارے لیے سلامتی ہو ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

تُو اسے ہدایت نہیں دے سکتا جسے تو دوست رکھتا ہو، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (2526)

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو سب اس میں داخل ہیں۔ کوئی مذہب نہیں جس سے اسلام نے ایک حصہ نہ لیا ہو، اور یہی اس کے آخری غلبہ کا نشان ہے۔

2525- ﴿مَّرَّتَيْنِ﴾ یعنی دو دفعہ یا دو چند اجر کی وجہ مفسرین یہ دیتے ہیں کہ ایسے لوگ پہلے اپنی کتاب پر ایمان لائے پھر قرآن کریم پر۔ مگر قرآن کریم نے جو خود وجہ بیان فرمائی ہے وہ ان کا صبر، ان کا بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کرنا اور ان کا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ اور یہی حق ہے۔ دو چند اجر انہی کا ہے جو صرف آپ ہی نیکی کی راہ اختیار نہیں کرتے بلکہ دنیا میں بھی بدی کو دور کر کے نیکی کو پھیلاتے ہیں۔ اور یا یہ کہ وہ صرف ایمان نہیں لاتے بلکہ ایمان کو بذریعہ اعمال کمال تک پہنچاتے ہیں۔

2526- اس آیت کے شان نزول میں وفات ابوطالب کا ذکر لکھا ہے یعنی آنحضرت ﷺ بوجہ اس محبت کے جو ابوطالب سے آپ کو تھی۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور کہتے ہیں اگر ہم تیرے ساتھ ہو کر ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اُچک لیے جائیں، کیا ہم نے اُنہیں امن والے حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے میوے کھینچے آتے ہیں (یہ) ہماری طرف سے رزق (ہے) لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (2527)

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، جو اپنی روزی کے سامان میں اِتراتی تھیں۔ سو یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم۔ اور ہم ہی وارث ہیں۔ (2528)

اس لیے کہ اس نے آپ کا ساتھ سخت ترین مشکلات میں دیا، چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے مگر انہوں نے ظاہر طور پر توحید کا اقرار نہیں کیا۔ تو اس پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ انسان کے یہ اختیار کی بات نہیں، کیونکہ قلب کی حالت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہوتا ہے۔ اس لیے جسے وہ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور ہر ایک شخص کو بھی خطاب ہے جو دوسروں کی ہدایت کا کام اختیار کرتا ہے کہ وہ ایک یا دوسرے کے ایمان نہ لانے سے گھبرائے نہیں۔ اسلام تو آخر کار دنیا میں مقبول ہوگا۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ جسے آج زید یا بکر چاہتا ہے وہ بھی فوراً مسلمان ہو جائے۔

2527- مکہ میں بہت لوگ ایسے تھے جو صداقت اسلامی کا دل سے اعتراف کرتے تھے مگر خوف یہ تھا کہ مسلمان ہو کر مارے جائیں گے یا گھروں سے نکالے جائیں گے۔ تو ان کو تسلی دی ہے کہ جس خدا نے حرم جیسی امن والی جگہ انہیں دی کیا وہ انہیں کفار کے ہاتھ سے بچا نہیں سکتا۔ اور ﴿يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ میں بتایا ہے کہ مکہ ایک وادی غیر ذی زرع میں آباد ہے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کیا تماشہ ہے کہ ہر قسم کے پھل وہاں پہنچتے ہیں۔

2528- ﴿بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 1238] جن قوموں کو روزی کا سامان کچھ اچھا مل جاتا ہے وہ اترا کر حد سے نکل جاتی ہیں، اسی کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ آج بھی کئی قومیں اسی سامان روزی پر اترائی ہوئی ہیں کہ انہیں کھانے اور پہننے کو اچھا مل جاتا ہے۔ [آیت:60] میں فرمایا کہ یہ صرف حیوانی زندگی کی خوشی ہے انسان کو خوش اس بات پر ہونا چاہئے جس کا فائدہ اس کے لیے دیرپا ہے۔ ﴿نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیتا ہے۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکزی مقام میں رسول (نہ) بھیجتا جو اُن پر ہماری آیتیں پڑھتا اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر اس حال میں کہ ان کے رہنے والے ظالم ہوں۔ (2529)

وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور جو کوئی چیز تم کو دی گئی ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

بھلا جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے پھر وہ اسے پالینے والا (بھی) ہے اس کی طرح ہے جسے ہم نے دنیا کی زندگی کا سامان فائدہ اُٹھانے کو دیا پھر وہ قیامت کے دن (عذاب میں) حاضر کیے گئے لوگوں میں سے ہوگا۔ (2530)

2529- یہ ان کے اس مطالبہ کا جواب ہے جو کہتے تھے کہ جس طرح فرعون ہلاک ہوا ہم ہلاک کیوں نہیں ہوتے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ بلاشبہ عرب کے ملک کی حالت اس انتہائے فساد کو پہنچ چکی تھی کہ **ان پر عذاب بھیج کر** انہیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہودیوں نے بھی ان کی اصلاح پر زور لگایا مگر یہ درست نہ ہوئے، عیسائیوں نے بھی لگایا مگر ان کی اصلاح نہ ہوئی بلکہ اور ظلم اور فساد میں ترقی کرتے گئے۔ مگر چونکہ یہ وہ قوم تھی کہ خود ان کے اندر کوئی رسول نہ آیا تھا [آیت نمبر: 46] اس لیے ضرور تھا کہ پہلے ان میں رسول بھیجا جاتا جو انہیں ڈراتا۔ اور ﴿اُمِّهَا﴾ سے مراد یہاں ام القریٰ یعنی مکہ ہے اور پھر دوبارہ جو فرمایا ﴿وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ تو سمجھایا ہے کہ یہ بھی نہیں ہوتا کہ ادھر رسول مبعوث ہوا ادھر مکذبین کو ہلاک کر دیا جائے۔ بلکہ جب تک وہ ظالم ثابت نہ ہوں اور ان کا ظلم کمال کو نہ پہنچے اس وقت تک بھی انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

2530- ﴿الْمُحْضَرِيْنَ﴾ [دیکھو نمبر: 2295] یہاں مراد عذاب میں حاضر کیے گئے لوگ ہیں۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ [الروم: 16:30] ''وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔'' ﴿جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ [یٰسٓ: 32:36] ''سب کے سب حاضر کیے

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور جس دن انہیں پکارے گا اور کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں، جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

جن کے خلاف بات ثابت ہوئی وہ کہیں گے ہمارے رب یہ وہ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا، ہم نے انہیں گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے ہم تیرے سامنے (ان سے) بے تعلق ہوئے ہیں یہ ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ (2531)

وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور کہا جائے گا اپنے شریکوں کو بلاؤ، سو وہ انہیں بلائیں گے مگر وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے کاش وہ ہدایت اختیار کرتے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

اور جس دن انہیں پکارے گا پھر کہے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

پس اس دن ان کو باتیں نہ سوجھیں گی، سو وہ ایک دوسرے سے بھی سوال نہ کریں گے۔ (2532)

جائیں گے۔''

2531- جنہیں اوپر کی آیت میں ﴿شُرَكَآءِيَ﴾ کہا تھا انہیں یہاں گمراہ کرنے والے، خود گمراہ ہونے والے اور ﴿الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ کہا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہاں شرکاء سے مراد صرف ان کے رؤسا ہیں اور ﴿اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا﴾ سے مراد ہے کہ ہم نے انہیں مجبور کر کے گمراہ نہیں کیا بلکہ جس طرح ہم اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے وہ بھی اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے۔ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ہوا و حرص کو پوجتے تھے۔

2532- عَمِيَ عَلَيْهِ کے معنی ہیں مشتبہ ہو گیا۔ [دیکھو نمبر: 1457] ﴿الْاَنْۢبَآءُ﴾ نَبَأ کی جمع ہے جس کے معنی خبر ہیں اور مراد یہاں وہ مطالبہ ہے جو ان سے کیا گیا یا ہر قسم کی باتیں اور ایک دوسرے سے سوال نہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ سب یکساں تاریکی کی حالت

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾

سو جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ کامیاب ہونے والوں میں ہوگا۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) چُن لیتا ہے چُن لینا اُن کا (کام) نہیں۔ اللہ اس سے پاک اور بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (2533)

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور تیرا رب جانتا ہے جو اُن کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور وہ اللہ ہے، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

میں ہوں گے۔

2533- ﴿يَخْتَارُ﴾ اَلْخِتَارُ کے معنی ہیں اسے چن لیا (خیر سے باب افتعال ہے) اور اس کے بعد مِنْ آتا ہے اور حذف بھی کر دیا جاتا ہے کیونکہ چننے میں بعضیت پائی جاتی ہے۔ ﴿وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا﴾ [الأعراف: 155:7] ''اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وعدے کے لیے چن لیے۔'' جہاں مراد ہے مِنْ قَوْمِهٖ اور اس کا صلہ علیٰ بھی آتا ہے کیونکہ چن لینے میں دوسروں پر فضیلت پائی جاتی ہے۔ ﴿وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾﴾ [الدخان: 32:44] ''اور ہم نے انہیں (اپنے) علم کی بنا پر قوموں پر برگزیدہ کیا۔'' اور خِيَرَة اور خِيَرَة اس سے اسم ہے۔ حدیث میں ہے [مُحَمَّدٌ ﷺ خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ] (لسان العرب، جلد4، صفحہ 264) یعنی آنحضرت ﷺ سب مخلوق سے چنے ہوئے یا سب مخلوق پر فضیلت رکھنے والے ہیں۔ اور خِيَرَة بمعنی تَخْيِيْر یعنی چننے کے معنی میں بھی آتا ہے اور اِسْتِخَارَة کسی چیز میں خَيْرَةٌ کا طلب کرنا ہے۔ (ل) اور اختیار کے معنی اس کا طلب کرنا بھی ہیں جو خیر ہو اور اس کا کرنا بھی۔ (غ) نیز [دیکھو نمبر: 2050] نیک بنانا بھی اس کے معنی ہیں۔ اور یہاں چن لینے سے مراد رسالت کے منصب کے لیے چن لینا بھی ہو سکتا ہے اور شفاعت کے لیے چن لینا بھی اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو نیک بناتا ہے یا انہیں دوسروں پر فضیلت دیتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

کہہ، دیکھو تو سہی اگر اللہ (تعالیٰ) تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک رات ہی رکھے، تو اللہ (تعالیٰ) کے سوائے کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لادے۔ تو کیا تم سنتے نہیں؟ (2534)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہہ، دیکھو تو سہی اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک دن ہی رکھے، تو اللہ کے سوائے کون معبود ہے جو تم پر رات لائے جس میں تم آرام کرتے ہو۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن اُنہیں پکارے گا پھر کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کرتے تھے؟۔

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ

اور ہم ہر ایک قوم سے ایک گواہ نکال لائیں گے۔ پس کہیں گے اپنی روشن دلیل لاؤ تب جان لیں گے کہ حق اللہ

اور بعض نے ﴿يَخْتَارُ﴾ کے معنی یہ بھی کیے ہیں کہ وہ اختیار رکھتا ہے مگر یہ خود ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ سے ظاہر ہے۔

2534- ﴿سَرْمَدًا﴾ کے معنی دائم یا ہمیشہ ہیں جس کے لیے انقطاع نہ ہو اور [لَيْلٌ سَرْمَدٌ] لمبی رات کو بھی کہتے ہیں۔ (ل) مطلب یہ ہے کہ رات اور دن کے تغیرات جن پر انسان کی بہبود اور راحت کا مدار ہے یہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔

ع 7 15 10 وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

کے لیے ہی ہے اور ان سے جاتا رہے گا جو وہ افترا کرتے تھے۔ (2535)

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾

قارون موسیٰ کی قوم سے تھا اور ان پر زیادتی کرتا تھا اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیئے کہ اس کی کُنجیاں ایک طاقتور جماعت کے لیے اُٹھانی مشکل تھیں۔ جب اس کی قوم نے اسے کہا اِترا نہیں، اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (2536)

2535- ﴿شَهِيْدًا﴾ یا گواہ سے مراد ان کا نبی ہے۔

2536- ﴿لَتَنُوْٓاُ﴾ [نَاءِ بِحَمْلِهٖ يَنُوْءُ] بڑی کوشش اور مشقت سے بوجھ کو اٹھا کر لے گیا یا بھاری پا کر پھینک دیا۔

قارون کا ذکر جس کا نام بائبل میں قرح آتا ہے گنتی سولہویں باب میں ہے۔ مگر بائبل نے واقعات کو کچھ ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ اس باب میں قارون کے ساتھ داتن اور ابیرام وغیرہ کی بغاوت کا ذکر اکٹھا کیا ہے۔ پادی ڈملو نے اپنی تفسیر بائبل میں لکھا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ملا دیئے گئے ہیں جو الگ الگ زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمارے مفسرین کہتے ہیں کہ **قارون** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا اور ﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد ہے کہ ان پر بڑائی چاہتا تھا اور یہ کہ وہ اس کے ماتحت ہوں۔ یا ان پر ظلم کرتا تھا یا ان کی نعمت کا زوال چاہتا تھا۔ اور بعض نے کہا کہ کپڑا ان سے لمبا پہنتا تھا، مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہوتی۔ اور بعض اقوال میں ہے کہ یہ اس کی زیادتی اس وقت کا واقعہ ہے جب فرعون نے اسے بنی اسرائیل پر حاکم بنایا ہوا تھا اور یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اس قدر دولت بیابان میں کہاں سے حاصل کر سکتا تھا۔ جابر حاکم محکوم قوموں سے اسی طرح کام لیتے ہیں کہ کسی چالاک آدمی کو لالچ دے کر اسی کو ان پر متعین کر دیتے ہیں۔ اس طرح پر اس شخص نے بھی کچھ فرعون سے انعام کے طور پر اور کچھ بنی اسرائیل سے ظلم کر کے روپیہ اکٹھا کیا۔ رہی یہ بات کہ اس کی ہلاکت بیابان میں ہوئی یا مصر میں، کہا نہیں جا سکتا۔ بائبل اسے بیابان میں قرار دیتی ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر دکھایا جا چکا ہے بائبل کا بیان خود گڈمڈ ہے۔ ممکن ہے کہ سارا ایام مصر کا ہی واقعہ ہو اور اس سورت میں حضرت موسیٰ کے واقعات مصر کا ہی ذکر ہے۔ اور اس قصہ کو لا کر اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ بعض لوگ اپنے مال پر فخر کر کے بھی حق سے منہ موڑ لیتے ہیں گو بظاہر نبی کی پیروی کرنے کا بھی دعویٰ کرتے ہوں۔ اور ان کی کثرت مال اور ان کے ٹھاٹھ دیکھ کر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ چونکہ پچھلے رکوع میں ان گمراہ کنندوں کا ذکر تھا جو تکذیب کر کے حق کی مخالفت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہاں اس قسم کے گمراہ کرنے والوں کا ذکر کیا جو مومن

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور اس سے جو اللہ (تعالیٰ) نے تجھے دیا ہے آخرت کے گھر (کی بہتری) تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا۔ اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور ملک میں فساد نہ چاہ۔ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (2537)

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اس نے کہا یہ مجھ کو اپنے علم سے ملا ہے۔ کیا اسے علم نہ تھا کہ اللہ نے اِس سے پہلے ایسی ایسی نسلوں کو ہلاک کیا جو اس سے طاقت میں بڑھ کر اور جمعیت میں زیادہ تھیں۔ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ (2538)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ

سو وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی آرائش میں نکلا، جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے اُنہوں نے کہا اے کاش! ہمارے

قوم میں سے کہلا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

2537- گویا سمجھایا کہ مال دنیا کا جمع کرنا تو کوئی غرض زندگی نہیں یہ مال کسی اور غرض کے حصول میں معاون ہوسکتا ہے۔ سو آخرت کے گھر کی بہتری چاہو۔ اور ﴿نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی تیاری کے لیے ہے اسے مت بھلا۔

2538- ﴿عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ سے مراد بعض مفسرین نے علم کیمیا لیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کیمیا کا علم یعنی سونا بنانا آتا تھا۔ تفسیروں کے انہی بے بنیاد قصوں نے بہت سے مسلمانوں کو لغو کاموں میں لگا کر تباہ کر دیا ہے جن کی ساری ساری زندگی اسی امید میں گزر جاتی ہے کہ ایک آگ کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ میں نے اپنے علم سے اسے کمایا ہے۔

مجرموں سے سوال نہ کرنا اس لیے ہے کہ ان کے جرموں کا اثر خود ان پر ظاہر ہوگا۔ سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔

مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

لیے بھی اس کی مثل ہوتا جو قارون کو ملا ہے وہ بڑے نصیب والا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور جنہیں علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا تم پر افسوس اللہ کا (دیا ہوا) بدلہ اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور یہ سوائے صبر کرنے والوں کے اور کسی کو نہیں ملتا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

سو ہم نے اُسے اور اس کے گھر کو زمین میں نابود کر دیا[2539] تو کوئی گروہ اس کے لیے نہ ہوا جو اللہ کے مقابلہ پر اس کی مدد کرتے اور نہ وہ خود اپنے تئیں بچا سکا۔

وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع 8 7 11

اور جو لوگ کل اس کی جگہ کی آرزو کرتے تھے، کہنے لگے ہائے افسوس! اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی ذلیل کر دیتا۔ ہائے افسوس کافر کامیاب نہیں ہوتے۔[2540]

2539- خَسَفْ کے لیے [دیکھو نمبر: 1742]۔ ہوسکتا ہے جیسا کہ بائبل میں ہے کہ زلزلہ سے زمین پھٹ کر زمین میں دھنس گیا یا کسی اور طریق سے نابود کر دیا اور اگلی آیت میں خَسَفْ سے مراد ذلیل کرنا ہی معلوم ہوتا ہے۔

2540- ﴿فَاَصْبَحُوْا﴾ صَبَحَ سے ہے [دیکھو نمبر: 2331] اور اِصْبَاح بھی صبح کو کہتے ہیں ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ [الأنعام: 96:6] ''وہ صبح کو پھاڑنے والا ہے۔'' اور ﴿اَصْبَحَ﴾ کے معنی صبح کی یا صبح کے وقت میں داخل ہوا اور صرف صار کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے [اَصْبَحَ فُلَانٌ عَالِمًا] یعنی فلاں شخص عالم ہو گیا۔ (ل)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

یہ آخرت کا گھر ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں، جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد (چاہتے ہیں) اور عاقبت متقیوں کے لیے ہے۔ (2541)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

جو نیکی لاتا ہے اس کے لیے اس سے بہتر ہے اور جو بدی لاتا ہے تو ان لوگوں کو جو بُرائیاں کرتے ہیں ویسا ہی بدلہ دیا جاتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾

جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے، وہ یقیناً تجھے لوٹ کر آنے کی جگہ واپس لائے گا۔ کہہ، میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے (بھی) جو کھلی گمراہی میں ہے۔ (2542)

﴿وَيْكَاَنَّ﴾ وَیْ افسوس اور ندامت اور تعجب کا کلمہ ہے (اور كَاَنَّ کے ساتھ تحقیق کے لیے بڑھایا ہے) اور بعض کے نزدیک وَيْكَ اصل میں وَيْلَكَ ہے اور لام حذف ہو گیا ہے۔ (غ)

2541- فرعون ہو جو کافر کہلاتا تھا یا قارون جو مومن کہلاتا تھا جو کوئی زمین میں تکبر اور ظلم اختیار کرتا ہے وہ دار آخرت سے محروم رہ جاتا ہے۔

2542- ﴿مَعَادٍ﴾ عَوْدٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 1122] کسی چیز سے پھر جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کرنا اور ﴿مَعَادٍ﴾ کے معانی لوٹنا بھی ہیں اور لوٹنے کا زمانہ بھی اور لوٹ کر آنے کا مکان بھی۔ اور یہاں ﴿مَعَادٍ﴾ کے معنی مکہ کیے گئے ہیں۔ (غ) اور اس کو ﴿مَعَادٍ﴾ کہنے کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ آپ وہاں پیدا ہوئے یا اس لیے کہ وہ آپ کا وطن تھا۔ (ل) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿مَعَادٍ﴾ سے مراد یہاں مکہ ہے۔ (بخاری) اور ﴿مَعَادٍ﴾ سے مراد مکہ ہونا مجاہد اور ضحاک سے بھی مروی ہے اور انسان کا اپنا شہر یا وطن اس لیے معاد کہلاتا ہے کہ سب طرف سے پھر پھرا کر وہ اپنے شہر کی طرف واپس آتا ہے۔ اور مکہ کا نام ﴿مَعَادٍ﴾ اس لیے بھی ہے کہ لوگ ہر سال لوٹ لوٹ کر اس کی طرف آتے ہیں۔ (ر) اور اصل بات یہ ہے کہ خود قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ﴿مَعَادٍ﴾ مکہ کا ہی نام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ [البقرة: 125:2] ''اور جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرجع بنایا۔'' اور مَثَابَةً بھی اسے اسی لیے کہا کہ وہاں لوگ

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور تو امید نہیں رکھتا تھا کہ تیری طرف کتاب بھیجی جائے گی مگر تیرے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر (ایسا ہوا) سو تو کافروں کا مددگار نہ ہو۔ (2543)

وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ ج

اور وہ تجھے اللہ کے حکموں سے نہ روک دیں، اس کے بعد جو وہ تیری طرف اتارے گئے اور اپنے رب کی طرف بلا اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو۔

وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا وقف لازم

اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ پکار، اس کے سوائے کوئی

لوٹ لوٹ کر آتے تھے۔[دیکھو نمبر: 157]

عین ہجرت میں آنحضرت ﷺ کو مکہ میں واپس لانے کی پیشگوئی:

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو جا رہے تھے تو جحفہ میں یہ آیت آپ پر نازل ہوئی۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ معاد سے مراد یہاں مکہ ہے۔ آخرت یا جنت یہاں معنی لینا درست نہیں۔ کیونکہ یہ موقعہ آخرت یا جنت کے وعدے کا نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کو بھاگ کر جانا اور دس سال وہاں رہنا اور پھر مصر کو واپس آنا سب اسی لیے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں یہی باتیں پیش آنے والی تھیں۔ اسی لیے جب ابتدائے سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان واقعات کو بیان کیا تو آخر میں مضمون کو صاف کرنے اور تکمیل کو پہنچانے کے لیے نبی کریم ﷺ کو عین ہجرت کے اندر یہ وعدہ دیا کہ آپ بھی مکہ میں واپس آئیں گے اور یہاں سے آپ کا بھاگ کر جانا عارضی ہے۔ عین اس وقت جب آپ کی بیکسی کی حالت انتہا کو پہنچ گئی تھی، یہ وعدہ کہ آپ اسی شہر میں واپس آئیں گے (اور ظاہر ہے بحیثیت فاتح آئیں گے) اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور علم کو ظاہر کرنے والا ہے۔

2543- **انبیاء کو قبل بعثت اپنے نبی بنایا جانے کا علم نہیں ہوتا:** ﴿وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا﴾ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بعثت سے پیشتر یہ علم نہیں ہوتا کہ انہیں منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا۔ ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ﴾ گو نہی ہے مگر بمعنی خبر ہے۔ جیسے اگلی آیت میں ﴿وَ لَا يَصُدُّنَّكَ﴾ بھی بمعنی خبر ہے۔ کیونکہ وہاں بہرحال کفار کو حکم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ پیشگوئی کے طور پر بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اتاری ہیں تو یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ان آیات کی تبلیغ قطعاً رک جائے۔

هُوَ ؕ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع 9 6 12

معبود نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے جس سے اس کا ارادہ کیا جائے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (2544)

2544- ﴿كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ میں بعض نے وَجْہٌ کے معنی ذات کیے ہیں۔ مفردات میں ہے کہ عبداللہ بن الرضا کے سامنے یہ معنی بیان کیے گئے تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ وَجْہٌ ہے جس سے کسی چیز کی طرف آیا جاتا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ بندوں کے اعمال سے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور باطل ہے سوائے اس عمل کے جس سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا جائے۔ امام راغب نے یہی دوسرے معنی وَجْہٌ کے دیئے ہیں۔ اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ۔ اور سیاق بھی یہی معنی چاہتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں فرمایا کہ اللہ کے سوائے کسی دوسرے کو مت پکارو اور معبود وہی ایک ہے یعنی حقیقی مقصود اور مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس اور جس چیز کو تم مقصود بناؤ گے وہ ہلاک ہونے والی ہے اور باطل ہے۔ اسی لیے آخر پر پھر بڑھایا اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں مروی ہے ہر زندہ چیز مرنے والی ہے یعنی باقی سب زندوں پر موت آنے والی ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے کہ اس پر موت نہیں آسکتی اور اس معنی پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

سورۃ العنکبوت

نام:

اس سورت کا نام اَلْعَنْکَبُوْتِ ہے اور اس میں 7 رکوع اور 69 آیات ہیں۔ آیت 41 میں مشرکانہ عقائد کو اور مخالفین اسلام کی تدابیر کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ شرک آخر کار دنیا سے مٹ جائے گا اور توحید پھیل جائے گی اور اسلام کے خلاف کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ اس سورت میں مسلمانوں کی تکالیف کا ذکر کر کے انہیں آخری کامیابی کا یقین دلایا ہے اور اسی کی طرف اس نام میں اشارہ ہے۔

خلاصہ مضمون:

① اس سورت کی ابتدا مسلمانوں کی تکالیف کے ذکر سے کی ہے جن میں وہ اس وقت مبتلا تھے، اور انہیں بتایا ہے کہ اگر ان پر تکالیف آ رہی ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت سے ہے گو کفار کی طرف سے ظلم ہی ہو۔ کیونکہ مصائب میں پڑنے کے بغیر انسان کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔

④، ③، ② دوسرے تیسرے اور چوتھے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، لوط علیہ السلام و دیگر انبیاء کا مختصر ذکر کیا ہے کہ انہیں بھی کتنا کتنا عرصہ مخالفوں کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھانی پڑیں مگر آخر اللہ تعالیٰ نے حق کو کامیاب کیا۔

⑤ پانچویں رکوع میں بتایا کہ یہ لوگ حق کی مخالفت کر کے پھر کہتے ہیں ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ حالانکہ ہم نے قرآن کو اس لیے نازل کیا ہے کہ تا نفوس انسانی کا تزکیہ ہو اور وہ غرض پوری ہو رہی ہے۔ مگر اصل غرض مذہب کو چھوڑ کر یہ لوگ ایک غلط راہ پر چل رہے ہیں کہ تکذیب کرتے اور عذاب مانگتے ہیں۔

⑥ چھٹے رکوع میں بتایا کہ مسلمانوں کو تکالیف کی وجہ سے ہجرت بھی کرنی پڑے گی اور انہیں یہ فکر نہ ہونا چاہیے کہ ہجرت کر کے دوسری جگہ جائیں گے تو انہیں کھانے کو کہاں سے ملے گا۔ جہاں جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے لیے سامان معاش بھی پیدا کر دے گا۔

⑦ ساتویں میں بتایا کہ یہ تکالیف عارضی ہیں اور آخر کار دور ہو جائیں گی اور مومن کامیاب ہوں گے۔

تعلق:

یہ سورت اور اس کے بعد کی تین سورتیں جو الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہیں ان سب کا مضمون قریباً ایک ہی ہے، یعنی اسلام کی آخری کامیابی۔ پچھلی تین سورتوں میں اصل مضمون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری کامیابی پر تھا۔ یہاں اس کے مقابل پر آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا ذکر کیا ہے اور پچھلی سورت میں خصوصیت سے اس سورت کا یہ تعلق ہے کہ وہاں اول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کیا تھا اور آخری رکوع میں نبی کریم ﷺ کی ہجرت کا۔ تو یہاں بتایا کہ ہجرت کامیابی کے لیے ضروری ہے اور تکالیف

اٰیَاتُھَا 69 (29) سُوۡرَۃُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ مَکِّیَّۃٌ (85) رُکُوۡعَاتُھَا 7

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓـمّٓ ۚ﴿۱﴾

میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾

کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ مصائب میں نہ ڈالے جائیں گے۔

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾

اور یقیناً ہم نے انہیں مصائب میں ڈالا جو ان سے پہلے تھے۔ پس ضرور اللہ انہیں معلوم کرلے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کرلے گا۔[2545]

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

کیا وہ لوگ جو بدیاں کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔[2546]

میں پڑنا تزکیہ نفس اور حصول کمال کے لیے ضروری ہے جو اصل غرض مذہب ہے۔

زمانۂ نزول:

ان چاروں سورتوں کا زمانہ نزول ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور اگلی سورت کی ابتدائی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچواں یا چھٹا سال بعثت نبوی کا تھا۔ پس اس سورت کا زمانہ نزول بھی وہی ہے اور اس میں مسلمانوں کی تکالیف کا خاص ذکر بھی یہی بتاتا ہے اور ہجرت کی ضرورت میں اشارہ ہجرت حبش کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور آئندہ پیش آنے والی ہجرت مدینہ کی طرف بھی۔

2545- فِتَنٌ پر [دیکھو نمبر: 243] اصل معنی ایسے دکھوں میں ڈالنا ہیں جو انسان سے کمزوریاں دور کرکے اسے اعلیٰ مقام پر پہنچادیں۔ کیونکہ سونے کو آگ میں اسی غرض کے لیے ڈالا جاتا ہے۔ اسی اصول کو یہاں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو بھیجنے کی غرض یہ نہیں کہ لوگ منہ سے کہہ دیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں بلکہ اصل غرض انسان کو اپنے کمالات تک پہنچانا ہے اور وہ بغیر دکھوں اور مصائب میں پڑنے کے نہیں ہوتا۔ علم کے معنی کے لیے [دیکھو نمبر: 179] و [نمبر: 524]

2546- یعنی ہمارے قانون جزا و سزا سے بچ نہیں سکتے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵

جوکوئی اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

اور جوکوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنی ہی جان کی بھلائی کے لیے جہاد کرتا ہے۔ اللہ یقیناً جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (2547)

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

اور جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم یقیناً ان سے ان کی بدیاں دور کر دیں گے اور ہم ضرور انہیں اس کا بہترین بدلہ دیں گے جو وہ کرتے ہیں۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ (دوسروں کو) شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان، (2548) تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پس میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کرتے تھے۔

2547- یہاں بھی جہاد سیفی مراد نہیں۔ کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ بلکہ مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا ہے، خواہ اپنے تزکیہ کے لیے ہو خواہ دوسرے لوگوں کو حق کی طرف بلانے کے لیے۔ دونوں کا فائدہ انسان کو پہنچتا ہے۔ دعوت الی اللہ **تزکیہ نفس کے لیے بہترین جہاد** ہے۔

2548- ﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ [لقمان: 14:31] ''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے حق میں تاکیدی حکم دیا ہے۔'' میں حُسْنًا کا لفظ ساتھ نہیں بڑھایا۔ اور حُسْنً سے مراد ایسا فعل ہے جو حُسن والا ہو اور بعض نے [اِيْصَاءَ ذَا حُسْنٍ] مراد لیا ہے اور یا حُسْنً فرطِ حسن کی وجہ سے اس فعل یا اِيْصَاءٌ کو کہہ دیا ہے جیسے ﴿قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ میں۔

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ﴾ دوسری جگہ ایسے ہی الفاظ کے ساتھ بڑھایا ﴿وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ [لقمان: 15:31] ''اور دنیا میں ان کا اچھی طرح ساتھ دے۔'' یعنی والدین کی نافرمانی صرف اسی خاص بات میں ہے جو شرک سے تعلق رکھتا ہے۔ امور دنیا میں پھر بھی ان سے حسن سلوک ہونا چاہیے۔ والدین کی اطاعت تمام اطاعتوں پر مقدم ہے مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹

اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم ان کو ضرور نیکوں میں داخل کریں گے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب اللہ کے لیے دکھ اٹھانا پڑتا ہے تو لوگوں کے دکھ دینے کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھتے ہیں اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد آئے تو وہ ضرور کہیں گے ہم بھی تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ اسے خوب نہیں جانتا جو لوگوں کے سینوں میں ہے؟(2549)

وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

اور اللہ یقیناً انہیں معلوم کرلے گا جو ایمان لائے ہیں اور وہ منافقوں کو بھی ضرور معلوم کرکے رہے گا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲

اور جو کافر ہیں وہ انہیں جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہماری راہ کی پیروی کرو اور ہم ضرور تمہاری خطاؤں کو اٹھالیں گے۔ اور وہ ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

دیں تو نہیں ماننا چاہیے۔ یہ قرآن کریم کی صریح تعلیم ہے۔ حاکم ہو یا عالم یا پیر کسی کا وہ حکم جو خلاف شریعت ہے کسی صورت میں نہ ماننا چاہیے۔[لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ] (مسند أحمد، جلد2، صفحہ 333) اور گو یہاں لفظ شرک ہے مگر حکم عام ہے۔ یعنی ہر معصیت کی بات مراد ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب والدین اولاد کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اسلام کو قبول نہ کریں۔

2549- ﴿فِي اللّٰهِ﴾ سے مراد [لِاَجْلِ اللّٰهِ] یا [فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ] ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کی راہ میں دکھ اٹھانے سے گھبراتا ہے اس کی حالت منافقانہ ہے۔ اور آج کتنے مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں ایک تنکا اٹھانا بھی بوجھ سمجھتے ہیں۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع 1 13 13

اور وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ (بھی) اور قیامت کے دن ان سے اس کی باز پرس ہوگی جو وہ افترا کرتے تھے۔ (2550)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں پچاس برس کم ہزار سال رہا۔ اور انہیں طوفان نے آپکڑا اور وہ ظالم تھے۔ (2551)

2550- یہ باتیں جو کفار کہتے تھے آج ان لوگوں کے مونہوں سے سنی جاتی ہیں جو اپنے آپ کو دوسروں کا پیر و مرشد بتاتے ہیں۔ ﴿اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ اپنے بوجھ تو اپنے گناہ ہیں اور دوسرے بوجھ گمراہ کرنے کے بوجھ ہیں۔ دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ گمراہ کرنے والے گمراہ شدہ پیروؤں کے بوجھ میں تو کچھ کمی نہیں کریں گے یعنی گمراہ شدہ پیرو اپنے گناہوں کے بوجھ آپ اٹھائیں گے۔ البتہ اپنے پہلے گناہوں کے ساتھ گمراہ کرنے کا مزید بوجھ انہیں اٹھانا پڑے گا۔

2551- بائبل میں بھی **حضرت نوح علیہ السلام کی عمر** ساڑھے نوسو سال بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت نوحؑ کی کوئی تاریخ ہمارے سامنے نہیں اور بائبل نے جو عمر دنیا کی قریباً چھ سات ہزار سال قرار دی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔ اور قرآن کریم میں ہے ﴿قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۛ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [ابراهيم: 9:14] ''(یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی۔ اور ان کی جو ان کے پیچھے ہوئے انہیں اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت قدیم زمانہ ہے اور کچھ بھی بعید نہیں کہ اس زمانہ میں انسان کی عمر زیادہ ہو۔ اور حضرت نوحؑ کی عمر اپنے زمانہ میں خصوصیت سے لمبی ہو۔ جیسا اس زمانہ میں جو انسان کی اوسط عمر 60-70 سال ہے بعض لوگوں کی عمر دوسو سال تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ان الفاظ کی ایک اور توجیہ بھی ہوسکتی ہے یعنی یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت اور برکات ساڑھے نوسو سال رہیں۔ کیونکہ ایک پیغمبر کی مدت بعثت وہ بھی کہی جاسکتی ہے جو اس کی لائی ہوئی شریعت ہوسکتی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت نوحؑ کی شریعت اور برکات ساڑھے نوسو سال رہیں۔ کیونکہ ایک پیغمبر کی مدت بعثت وہ بھی کہی جاسکتی ہے جو اس کی لائی ہوئی شریعت باقی رہے۔ جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ قیامت تک زندہ ہیں اور بائبل نے جو تاریخیں دی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش میں نوسو باون سال تھے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

سو ہم نے اسے اور کشتی والوں کو نجات دی اور ہم نے اسے تمام جہانوں کے لیے نشان بنایا۔ (2552)

وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ابراہیم کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اللہ کے سوائے تم صرف بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ بناتے ہو۔ وہ جن کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو، وہ تمہارے لیے رزق کا اختیار نہیں رکھتے، سو اللہ سے ہی رزق چاہو اور اس کی عبادت اور اس کا شکر کرو۔ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے قوموں نے بھی جھٹلایا اور رسول کے ذمے کھول کر پہنچا دینے کے سوائے اور کچھ نہیں۔ (2553)

اَوَ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا وہ غور نہیں کرتے کس طرح اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔

2552- کہتے ہیں کشتی ایک مدت تک جودی پر رہی۔ لیکن اس کا نشان ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے ذکر میں لوگوں کے لیے عبرت ہے۔

2553- یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کا حصہ بھی ہوسکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس آیت سے لے کر اگلے رکوع کی پہلی آیت تک کلام کا رخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مخالفین کی طرف لے لیا جائے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ ﴿۲۰﴾

کہہ، زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔ پھر اللہ ہی آخرت کا اٹھانا اٹھائے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اسی کی طرف تم واپس پھیرے جاؤ گے۔

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع 2 9 14

اور تم (اسے) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں اور نہ آسمان میں، اور تمہارے لیے اللہ کے سوائے کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی مددگار ہے۔ (2554)

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں وہ میری رحمت سے مایوس ہیں اور ان کے لیے دردناک دکھ ہے۔ (2555)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

سو اس کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر دو یا جلا دو، سو اللہ نے اسے آگ سے نجات دی۔ اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

2554- یعنی نہ زمین کے اندر گھس کر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ سکتے ہیں نہ اوپر بلندی میں چڑھ کر۔

2555- یہ مطلب لیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن رحمت سے مایوس ہوں گے۔ میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرنے والا گویا رحمت الٰہی سے مایوس ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی زندگی کے مقصد کو نہایت ذلیل کر لیتا ہے۔

وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور اس نے کہا تم نے اللہ کے سوائے بتوں کو صرف دنیا کی زندگی میں آپس کی محبت کے طور پر معبود بنایا ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور تم ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے، اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ (2556)

وقف لازم

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

سو لوط اس پر ایمان لایا اور کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، وہ غالب حکمت والا ہے۔ (2557)

2556- ﴿مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ﴾ کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تمہاری بت پرستی آپس کی محبت کی وجہ سے ہے یعنی محض ایک دوسرے کی محبت کی وجہ سے اس غلط راہ پر چلے جاتے ہو اور کبھی غور نہیں کرتے۔ اور دوسرے یہ کہ اس بت پرستی کو آپس کی محبت کی بنیاد بنا رکھا ہے۔ ویسے تم جانتے ہو کہ یہ بت کچھ چیز نہیں مگر ایک قومی اتحاد بنانے کے لیے ایک مذہب کا ڈھانچا بنایا ہوا ہے، جیسے آج کل عیسائی اقوام نے۔ حالانکہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو توریت و انجیل میں جو کچھ لکھا ہے اسے سچ مانتے ہوں۔ لیکن عیسائیت کے ڈھانچہ کو اتحاد قومی اور اغراض ملکی کے لیے قائم رکھا ہوا ہے۔ تیسرے معنی یوں کیے گئے ہیں کہ بت پرستی کی ابتدا انسانوں کی ایک دوسرے سے محبت ہے یعنی اول ان لوگوں کے مجسمے بنائے گئے، جنہیں لوگ راستباز سمجھ کر ان سے محبت کرتے تھے۔ پھر ان کی موت کے بعد ان کے بت بنا لیے۔

2557- **حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت:** ﴿مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ سے مراد ہے [اَلْجِهَةَ الَّتِيْ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ بِالْهِجْرَةِ اِلَيْهَا]۔ (ر) یعنی اس طرف جدھر میرے رب نے مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اور یہ ملک شام تھا۔ اور بعض نے مراد لی ہے کہ اپنے ان لوگوں کو ترک کر کے جو میرے مخالف ہیں اپنے رب کا قرب حاصل کرنے والا ہوں۔ بعض نے اسے لوط علیہ السلام کا قول سمجھا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام بھی ایک دوسری قوم کی طرف گئے تھے مگر ہجرت عموماً ایک جگہ سے دکھ دیا جانے پر ہوتی ہے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف منصوبہ قتل کرنے کا یا جلانے کا ہوا تھا۔ اور یہاں ذکر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی چلتا ہے۔ اور دوسری جگہ ہے ﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ [الصافات: 99:37] ''میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔'' پس یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہی ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب جاری رکھی اور ہم نے اسے دنیا میں اس کا اجر دیا اور وہ آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

اور لوط کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم نے یقیناً ایسی بے حیائی اختیار کی ہے جسے تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے نہیں کیا۔

اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾

کیا تم مَردوں کے پاس جاتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی مجلس میں برے کام کرتے ہو۔ سو اس کی قوم کا جواب سوائے اس کے کچھ نہ تھا، انہوں نے کہا ہم پر اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے۔ (2558)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ ع 3 8 15

اس نے کہا میرے ربّ! مجھے فساد کرنے والی قوم کے خلاف مدد دے۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے، انہوں نے کہا ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک

2558- قطع طریق یا سبیل کے لیے [دیکھو نمبر: 1361] اور مراد اس سے ڈاکہ زنی ہے۔ اور راغب کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے ﴿یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ کی طرف۔ کیونکہ اس طرح پر بھی لوگوں کو رستہ سے روکا جاتا ہے۔ مجلس میں برے کام کرنے کا ذکر اس لیے کیا کہ تا معلوم ہو کہ ساری قوم کی حالت خراب ہو چکی تھی اور ایک دوسرے کا لحاظ بھی نہ رہا تھا، بلکہ ان کاموں پر فخر کرتے تھے۔

الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

کرنے والے ہیں۔کیونکہ اس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس نے کہا اس میں لوط بھی ہے۔انہوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں اس میں کون ہے۔ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دیں گے سوائے اس کی عورت کے۔وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوا اور ان کے معاملہ میں ہاتھ کو تنگ پایا اور انہوں نے کہا ڈر نہیں اور نہ غم کر، ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے تیری عورت کے۔وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔

وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور یقیناً ہم نے اس کا ایک کھلا نشان ان لوگوں کے لیے چھوڑا ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور پچھلے دن کی امید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو انہیں زلزلہ نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا۠ وَ قَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۙ﴿۳۸﴾

اور عاد اور ثمود کو (بھی ہلاک کیا) اور (یہ) تمہارے لیے ان کے مکانوں سے ظاہر ہے۔ اور شیطان نے ان کے عمل انہیں اچھے کر کے دکھائے، سو انہیں (سیدھے) رستہ سے روک دیا اور وہ بصیرت والے تھے۔[2559]

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۚ﴿۳۹﴾

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (ہلاک کیا) اور موسیٰ ان کے پاس کھلی دلائل لے کر آیا۔ پر انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہم سے) آگے بڑھنے والے نہ تھے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

سو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑا، سو ان میں سے کسی پر ہم نے پتھر برسائے اور ان میں سے کسی کو سخت آواز نے آپکڑا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں نابود کر دیا۔ اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے تھے۔[2560]

2559- ﴿مُسْتَبْصِرِيْنَ﴾ جب ایک شخص کے لیے برائی یا بھلائی جو آنے والی ہو واضح ہو جائے تو کہا جاتا ہے اِسْتَبْصَرَ، اور بصیرت والا ہو گیا بھی اس کے معنی آتے ہیں۔ اور یہاں معنی یہ ہیں کہ انہوں نے کیا جو کچھ کیا۔ اس حالت میں کہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ ان کے ان افعال کا انجام عذاب ہے۔ (ل)

2560- یہاں ذکر تو گزشتہ قوموں کے عذاب کا ہی کیا ہے۔ مگر اصل منشا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفین پر یہ سب قسم کے عذاب آنے والے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے سوائے دوست بناتے ہیں مکڑی کی مثال کی طرح ہے۔ وہ ایک گھر بناتی ہے اور یقیناً سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے۔ (2561)

وقف لازم

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

اللہ اس کو جانتا ہے جو وہ اس کے سوائے کسی چیز کو پکارتے ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں سوائے علم والوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع 4 14 16

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، یقیناً اس میں مومنوں کے لیے نشان ہے۔

2561 - **عقائد باطلہ کی کمزوری کی مثال، عنکبوت:** اس میں ایک طرف نہایت زبردست پیشگوئی کی ہے کہ شرک آخر کار دنیا سے اٹھ جائے گا کیونکہ عنکبوت یعنی مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو نہایت کمزور چیز ہے۔ ایک طرف مسلمانوں پر سخت مشکلات اور مصائب کا زمانہ ہے، کفر کا زور ہے، مسلمان کفار کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ دوسری طرف انہی کفار کو بتایا جاتا ہے کہ ان کے شریک جنہیں وہ اپنے مددگار سمجھتے ہیں ان کی کمزوری مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو ایک ہوا کے جھونکے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس مثال میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ مشرک بلکہ ہر ایک غلط عقیدہ کا پیرو کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ جس طرح مکڑی کا جالا جب ایک اشارہ سے ٹوٹ جاتا ہے تو پھر دوسری دفعہ اسے ایک اور ہی رنگ میں تنتی ہے۔ اسی طرح جب شرک پر یا کسی غلط عقیدہ پر ایک دلیل سے الزام قائم کیا جاتا ہے تو پھر اس کا پیرو دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور ایک حالت پر اس کا قیام نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان چیزوں کی بنیاد کسی علمی دلیل پر نہیں۔ اور دوسری طرف اوپر بھی مخالفین انبیاء کے انجام کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ مخالفین اسلام کی تدابیر اسلام کے خلاف ایک مکڑی کے جالے سے بڑھ کر نہیں۔ اور یوں اسلام کی آخری کامیابی کو یقینی ٹھہرایا ہے۔